24

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت
www.tanzeem.org
تنظیم اسلامی کا ترجمان

مسلسل اشاعت کا
35واں سال

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

14 تا 20 محرم الحرام 1448ھ / 30 جون تا 6 جولائی 2026ء

اس شمارے میں

شہادتِ حسینؓ: اُمتِ مسلمہ کے لیے دائمی پیغام!

شہادت اور فریضۂ شہادت

فرائض دینی کا جامع تصور

دجال کی عالمی حکومت......

فتنوں کے زمانہ میں ایمان کی اہمیت......

غم نہ کر

اسلامی نظام کا نمونہ پیش کرنے کی ضرورت

ہر دور میں دنیا کے لیے ضرورت رہی ہے کہ ایک مکمل معاشرہ، ایک ملت اور ایک عالمگیر دعوت کی سطح پر اسلامی زندگی پائی جائے۔ یہ کہنا کافی اور مفید نہیں کہ صاحب، کتابوں کے اندر پورا اسلام موجود ہے، دیکھ لیجیے، پڑھ لیجیے! یا آپ کہیں کہ اگر آپ کو معلوم کرنا ہو کہ اللہ شناسی کیا ہوتی ہے، اللہ کا خوف کیا ہوتا ہے، اچھے اخلاق کیا ہوتے ہیں، تو ہم آپ کو فلاں بزرگ سے ملا دیں گے۔ اس سے دنیا ہدایت نہیں پاتی اور دنیا میں کوئی انقلاب رونما نہیں ہوتا۔ دنیا اُس وقت توجہ اور غور کرنے پر مجبور ہوتی ہے، جب پورے معاشرہ کی سطح پر، پورے تمدن کی سطح پر، عالمگیر اسٹیج پر (جس پر تمام دنیا کی نگاہیں پڑتی ہیں) صحیح اور مکمل اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کیا جائے۔ قوموں اور ملکوں کی نگاہیں یہ اندازہ لگا سکیں کہ اسلام کا عقیدہ انسان کی زندگی میں یہ تبدیلی پیدا کرسکتا ہے، اللہ کے یہاں سے آئی ہوئی روشنی اور ہدایت کا نور اس کی زندگی کو اس طرح چمکاتا اور سنوارتا ہے، وہ یہ دیکھ سکیں کہ شریعت کی تعلیمات کس طرح کا معاشرہ پیدا کرتی ہیں، کس طرح کے اخلاق پیدا کرتی ہیں۔ جب تک یہ نہ ہو، اس وقت تک انسانیت کیا، انسانیت کا کوئی چھوٹا سا کنبہ اور عالم انسانی کا ایک چھوٹا سا گوشہ بھی اسلام (بحیثیتِ نظامِ زندگی) کی طرف توجہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ
دستورِ حیات

مسجدِ اقصیٰ کی حرمت اور فلسطینی مسلمانوں کو اپنی دعاؤں میں شامل رکھیں!

روزِ قیامت چھوٹے سے چھوٹا اور خفیہ سے خفیہ عمل بھی حاضر کیا جائے گا

سُوۡرَۃُ لُقۡمٰنَ — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — آیت: 16

یٰبُنَیَّ اِنَّہَاۤ اِنۡ تَکُ مِثۡقَالَ حَبَّۃٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ فَتَکُنۡ فِیۡ صَخۡرَۃٍ اَوۡ فِی السَّمٰوٰتِ اَوۡ فِی الۡاَرۡضِ یَاۡتِ بِہَا اللّٰہُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَطِیۡفٌ خَبِیۡرٌ ﴿۱۶﴾

آیت ۱۶: ﴿یٰبُنَیَّ اِنَّہَاۤ اِنۡ تَکُ مِثۡقَالَ حَبَّۃٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ﴾ ''اے میرے بچے! اگر وہ (کوئی اچھا یا برا عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہو۔''

اپنی جسامت کے اعتبار سے رائی کا دانہ بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ مراد اس سے بہت ہی چھوٹی یا حقیر چیز ہے۔ قرآن مجید میں کسی چھوٹی یا حقیر چیز کا ذکر کرنے کے لیے حَبَّۃٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ (رائی کے دانے) کے علاوہ بالعموم فَتِیۡلًا یعنی کھجور کی گٹھلی کے ساتھ لگے ہوئے دھاگے (النساء: ۴۹) اور نَقِیۡرًا یعنی کھجور کی گٹھلی کے گڑھے (النساء: ۱۲۴) جیسے الفاظ بھی آتے ہیں' لیکن رائی کا دانہ اپنی جسامت میں ان سب سے چھوٹا ہوتا ہے۔

﴿فَتَکُنۡ فِیۡ صَخۡرَۃٍ اَوۡ فِی السَّمٰوٰتِ اَوۡ فِی الۡاَرۡضِ یَاۡتِ بِہَا اللّٰہُ ؕ﴾ ''پھر وہ ہو کسی چٹان میں یا آسمانوں میں یا زمین کے اندر' اُسے اللہ لے آئے گا۔''

انسان اشرف المخلوقات ہے' اس کے اعمال چاہے اچھے ہوں یا برے وہ بھی انسان ہی کی طرح اہم ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ انسانی اعمال کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔ چنانچہ انسان کا کوئی بھی عمل چاہے وہ کسی پہاڑ کی کھوہ میں وقوع پذیر ہوا ہو' خلاء کی پہنائیوں میں یا زمین کے پیٹ کی تاریکیوں میں سرانجام دیا گیا ہو' وہ اللہ سے چھپ نہیں سکتا۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَطِیۡفٌ خَبِیۡرٌ ﴿۱۶﴾﴾ ''یقیناً اللہ بہت باریک بین' ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔''

یہی مضمون سورۃ الزلزال میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ﴿۷﴾ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ﴿۸﴾﴾ ''تو جو کوئی کرے گا ذرّہ برابر بھلائی وہ اُسے دیکھ لے گا' اور جو کوئی کرے گا ذرّہ برابر برائی وہ بھی اُس کو دیکھ لے گا۔''

درس حدیث

تین چیزیں قیامت کے دن عرش کے نیچے ہوں گی

عَنۡ عَبۡدِ الرَّحۡمٰنِ بۡنِ عَوۡفٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ((ثَلَاثَۃٌ تَحۡتَ الۡعَرۡشِ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ الۡقُرۡآنُ یُحَاجُّ الۡعِبَادَ لَہٗ ظَہۡرٌ وَبَطۡنٌ، وَالۡاَمَانَۃُ وَالرَّحِمُ تُنَادِیۡ اَلَا مَنۡ وَصَلَنِیۡ وَصَلَہُ اللّٰہُ وَمَنۡ قَطَعَنِیۡ قَطَعَہُ اللّٰہُ)) (مشکوٰۃ المصابیح، شرح السنہ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، (آپؐ نے) فرمایا: ''تین چیزیں روزِ قیامت عرش کے نیچے ہوں گی، ایک قرآن بندوں کی طرف سے جھگڑا کرے گا، اس کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، اور (دوسری چیز) امانت بھی، جبکہ (تیسری چیز رشتہ) رحم آواز دے گا، سن لو! جس نے مجھے ملایا، اللہ اُسے ملائے اور جس نے مجھے قطع کیا اللہ اُسے قطع کرے۔''

ہفت روزہ
لاہور

ندائے خلافت

تا خلافت کی بنا دُنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان نظام خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

14 تا 20 محرم الحرام 1448ھ جلد 35
30 جون تا 6 جولائی 2026ء شمارہ 24

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: رضاء الحق

مجلس ادارت: ● فرید اللہ مروت ● محمد رفیق چودھری ● وسیم احمد باجوہ ● خالد نجیب خان

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
"دارالاسلام" ملتان روڈ چونگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 78-(042) 35473375
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
nk@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 20 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......800 روپے
بیرون پاکستان
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (21,000 روپے)
انڈیا، یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (16000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
رضاء الحق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شہادتِ حسین ؓ: اُمّتِ مسلمہ کے لیے دائمی پیغام!

تاریخ انسانی میں بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں جو کسی خاص زمانے تک محدود نہیں رہتے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے حق و باطل کے درمیان امتیاز کا معیار بن جاتے ہیں۔ واقعۂ کربلا بھی انہی عظیم واقعات میں سے ہے۔ اسے اگر محض ایک المناک تاریخی سانحہ، ایک سیاسی اختلاف یا اہلِ بیتِ اطہارؓ کے ساتھ ہونے والے ظلم کے طور پر دیکھا جائے تو اس کے اصل پیغام سے ناواقفیت ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ کربلا اسلام کے اُس ابدی اصول کا عملی اظہار ہے کہ ایک صاحبِ ایمان و عزیمت کے لیے اللہ کے دین کی سربلندی ہر شے سے مقدم ہے، خواہ اس کے لیے جان، مال، اہل و عیال اور دنیا کی ہر متاع ہی کیوں نہ قربان کرنا پڑے۔

اسلام میں شہادت محض میدانِ جنگ میں قتل ہو جانے کا نام نہیں، بلکہ راہِ حق میں اپنی پوری زندگی اللہ کے حوالے کر دینے کا نام ہے۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان سے ان کی جان و مال خرید لینے کا اعلان فرمایا ہے۔ (التوبہ:111) گویا مومن اپنی زندگی کا مالک نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا امانت دار ہے۔ جب دینِ حق کو اس کی ضرورت پیش آئے تو وہ کسی تردد کے بغیر اپنا سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ یہی وہ تصور ہے جس نے بدر، اُحد، یرموک، قادسیہ اور کربلا جیسے عظیم واقعات کو جنم دیا۔

قرآن مجید میں بار بار اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ اہلِ ایمان کی آزمائش لازمی ہے۔ فرمایا: "کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ صرف یہ کہہ دینے سے چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے، اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا؟" (العنکبوت:2) ایمان کی صداقت ہمیشہ آزمائش کی بھٹی میں ثابت ہوتی ہے۔ اسی لیے تاریخِ اسلام میں ہر دور میں ایسے رجالِ حق پیدا ہوئے جنہوں نے باطل کے سامنے سر جھکانے کے بجائے اپنی گردن کٹوانا قبول کیا۔

رسولِ اکرم ﷺ کے وصال کے بعد خلافتِ راشدہ نے اسلام کے سیاسی اور اجتماعی نظام کو اپنی اصل روح کے ساتھ قائم رکھا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ جب خلافت کی جگہ ملوکیت نے لینا شروع کی، اقتدار کا مقصد دین کی خدمت کے بجائے سلطنت کا استحکام بنتا گیا، اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں وہ انقلابی روح کمزور ہونے لگی جس نے انہیں دنیا کی امامت عطا کی تھی۔ یہی وہ مرحلہ تھا جب حضرت امام حسینؓ نے محسوس کیا کہ اگر اس تبدیلی کو خاموشی سے قبول کر لیا گیا تو اُمت رفتہ رفتہ اس راستے سے ہٹ جائے گی جس پر رسول اللہ ﷺ نے اسے قائم کیا تھا۔

یہاں اس حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے کہ حضرت امام حسینؓ کی جدوجہد اقتدار کی کشمکش نہیں تھی۔ اگر مقصد حکومت حاصل کرنا ہوتا تو حالات کا اندازہ کرتے ہوئے وہ کوئی سیاسی مفاہمت بھی اختیار کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے جو راستہ چنا، وہ دنیاوی کامیابی کے اعتبار سے نہایت دشوار تھا۔ اس راستے پر چلنے والا پہلے ہی جانتا تھا کہ اس کے سامنے تلواریں ہیں، پیچھے خاندان ہے اور ساتھ چند جان نثار۔ اس کے باوجود اُنہوں نے قدم واپس نہ کھینچا، کیونکہ اُن کے سامنے اقتدار نہیں بلکہ حق کی شہادت تھی۔

کربلا ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ظاہری فتح نہیں بلکہ اصولوں پر ثابت قدم رہنے کا مطالبہ کرتا ہے، جو اُخروی کامیابی اور درجات میں بلندی کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ دنیا کی نگاہ میں فتح وشکست کا معیار کچھ اور ہو سکتا ہے، لیکن اللہ کے ہاں اصل کامیابی وفاداری ہے۔ اسی لیے کربلا میں جسم زخمی ہوئے، خیمے جل گئے، حضرت حسینؓ اور اُن کے اہل و عیالؓ نے مصائب برداشت کیے، لیکن اسلام کا ضمیر زندہ ہو گیا۔ اگر حسینؓ مصلحت کوشی اختیار کر لیتے تو شاید وقتی سکون حاصل ہو جاتا، لیکن اُمّت ہمیشہ کے لیے حق و باطل کے درمیان فرق کرنے کا معیار کھو بیٹھتی۔

آج پوری دنیا پر ایک ایسا عالمی نظام مسلط ہے جس کی بنیاد طاقت، سرمایہ، عسکری برتری اور تہذیبی غلبے پر قائم ہے۔ طاقتور ریاستیں بین الاقوامی قانون کی داعی بھی ہیں اور اس کی سب سے بڑی خلاف ورزی بھی۔ انسانی حقوق کے علم بردار بھی وہی ہیں اور کمزور اقوام کے حقوق پامال کرنے والے بھی وہی۔ عدل و انصاف کے پیمانے بھی انہی کے ہاتھ میں ہیں اور ظلم کی تعریف بھی وہی متعین کرتے ہیں۔ یہی وہ دوہرا معیار ہے جس نے دنیا کو ایک نئے اخلاقی بحران سے دوچار کر دیا ہے۔

اس حقیقت کا سب سے المناک مظہر فلسطین کی سرزمین ہے۔ کئی دہائیوں سے فلسطینی عوام اپنے بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہیں، لیکن عالمی ضمیر مسلسل خاموش ہے۔ ناجائز صہیونی ریاست اسرائیل نے غزہ میں ہزاروں معصوم بچوں، عورتوں اور بے گناہ شہریوں کو شہید کر دیا، بستیاں ملبے کا ڈھیر بن جاتی ہیں، ہسپتال، تعلیمی ادارے اور عبادت گاہیں محفوظ نہیں رہتیں، لیکن عالمی اداروں کے بیانات عملی اقدام میں تبدیل نہیں ہوتے۔ طاقت کا قانون عدل وانصاف کے قانون پر غالب آ جاتا ہے۔

یہ صورتِ حال صرف فلسطین تک محدود نہیں۔ مسلم دنیا کے مختلف خطے سیاسی عدمِ استحکام، بیرونی مداخلت، معاشی انحصار اور داخلی انتشار کا شکار ہیں۔ کہیں فرقہ واریت نے اُمّت کو تقسیم کر رکھا ہے، کہیں نسلی اور قومی تعصّبات نے اسلامی اخوت کو کمزور کر دیا ہے، اور کہیں شخصی اقتدار کی کشمکش نے اجتماعی مفاد کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اُمّت کی تعداد کم وبیش دو ارب سے زیادہ ہونے کے باوجود اُس کا وزن عالمی سیاست میں صفر ہے۔

گزشتہ مہینوں میں ایران، اسرائیل اور امریکہ کے درمیان کشیدگی نے بھی پورے خطے کو غیر یقینی صورتِ حال سے دوچار کر دیا ہے۔ اگرچہ جنگ بندی کے عارضی 60 روزہ ایم او یوز پر دستخط کے بعد سوئٹزرلینڈ میں مذاکراتی عمل کا آغاز ہو چکا ہے کہ اسے حتمی اور دیرپا جنگ بندی اور قیامِ امن معاہدے کی شکل دی جا سکے لیکن اسرائیل جنگ بندی کے لیے تیار ہی نہیں۔ وہ ’گریٹر اسرائیل‘ کے منصوبے پر عمل پیرا ہے اور لبنان و مغربی کنارے میں اُس کی کارروائیاں جاری ہیں۔ پھر غزہ میں نسل کُشی اور مسجدِ اقصیٰ کو (معاذ اللہ!) شہید کر کے وہاں تھرڈ ٹیمپل کی تعمیر کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ دوسری طرف مسلم ممالک کے حکمرانوں کی حالتِ زار دیکھیے کہ وہ اُس کے خلاف آواز اُٹھانے کو بھی تیار نہیں کہ اُس کے راستے کی رکاوٹ بنیں۔ گویا مجموعی منظرنامہ یہ بتاتا ہے کہ مسلم دنیا بدستور باہمی اعتماد، مشترکہ حکمتِ عملی اور اجتماعی قیادت سے محروم ہے۔ یہی کمزوری بیرونی قوتوں کو مداخلت اور دباؤ کا موقع فراہم کرتی ہے۔ قرآنِ حکیم نے جس ’’وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا‘‘ کا حکم دیا تھا، اُمّت اس کی عملی تصویر پیش کرنے میں ناکام دکھائی دیتی ہے۔

تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اُمّت کے موجودہ بحران کی تمام ذِمّہ داری بیرونی طاقتوں پر ڈال دینا دیانت داری نہیں ہوگی۔ تاریخ کا ایک اٹل اصول ہے کہ جب کوئی قوم اپنے اخلاقی اور فکری زوال کا شکار ہوتی ہے تو بیرونی دشمن اس کی کمزوری سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ قرآن مجید نے واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اندر تبدیلی پیدا نہ کرے۔ (الرعد: 11) لہٰذا آج اُمّتِ مسلمہ کی اصل بیماری بیرونی جارحیت سے پہلے اندرونی کمزوری ہے۔ یہی حقیقت پاکستان کے حالات میں بھی پوری شدت سے نظر آتی ہے۔

آج اُمّتِ مُسلمہ کو جن بحرانوں کا سامنا ہے وہ صرف سیاسی یا معاشی نوعیت کے نہیں، بلکہ بنیادی طور پر فکری، اخلاقی اور تہذیبی بحران ہیں۔ جب کسی قوم کا تصورِ مقصد کمزور ہو جائے تو اس کی سیاسی طاقت، معاشی وسائل اور عددی برتری بھی اسے وقار نہیں دے سکتے۔ اُمّت کا اصل بحران یہ ہے کہ اس نے دین کو ایک مکمل نظامِ زندگی کے بجائے محض چند مذہبی رسومات تک محدود کر دیا ہے۔ یہی وہ فکری انحراف ہے جس نے اُمّت کو اجتماعی قیادت، عالمی اثر ورسوخ اور داخلی وحدت سے محروم کر دیا ہے۔

اس پس منظر میں کربلا ہمیں ایک واضح فکری سمت فراہم کرتی ہے۔ حضرت امام حسینؓ کا طرزِ عمل یہ بتاتا ہے کہ حق کے ساتھ وابستگی کسی مصلحت، دباؤ یا خوف کی محتاج نہیں ہوتی۔ جب دین کے بنیادی اصول خطرے میں ہوں تو خاموشی اختیار کرنا دراصل حق سے دستبرداری کے مترادف ہے۔ یہی اصول آج بھی اُمّت کے لیے رہنما اصول ہے۔

شہادتِ حسینؓ دراصل اس عہد کی تجدید ہے کہ مسلمان اپنی پوری زندگی کو اللہ کے دین کے تابع کرے گا، خواہ اس کی قیمت کچھ بھی ہو۔ یہی وہ راستہ ہے جو اُمّت کو دوبارہ اس کے منصبِ امامت کی طرف لے جا سکتا ہے، اور یہی وہ راستہ ہے جو باطل کے مقابلے میں اہلِ حق کو سرخرو کرتا ہے۔

شہادت اور فریضۂ شہادت

(قرآن وحدیث کی روشنی میں)

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم شجاع الدین شیخ ﷾ کے 19 جون 2026ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

خطبہ مسنونہ اور تلاوتِ آیاتِ قرآنی کے بعد!

ماہ محرم الحرام ہجری کیلنڈر کے مطابق سال کا پہلا مہینہ ہے اور اسلامی تاریخ میں اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ ہمارے دین کے بعض احکامات کا انحصار قمری تاریخ پر ہے۔ جیسا کہ رمضان کا آغاز و اختتام، عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایام حج کا تعین، زکوٰۃ وعشر کا حساب، خواتین کی عدت وغیرہ۔ چنانچہ علماء نے لکھا کہ قمری تاریخ کا یاد رکھنا اُمت مسلمہ پر فرض کفایہ کے درجے میں ہے۔ تاہم کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کو ہمارے دین میں پسند نہیں کیا گیا۔ جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جیسے 31 دسمبر کی رات کو نیو ایئر نائٹ منائی جاتی ہے تو ہم بھی یکم محرم کے آغاز میں ہیپی نیو اسلامک ایئر منالیں۔ ایسے تصورات کی ہمارے دین میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ ہر مہینے کا چاند دیکھتے تو دعا فرماتے تھے:

((اللّٰھُمَّ أَھِلَّہُ علینا بالأمن والإیمان))

”اے اللہ! اس چاند کو ہم پر امن اور ایمان کے ساتھ طلوع فرما۔“

ایمان اگر واقعتاً دل میں ہو تو بندے کی ذات بھی دوسرے کے لیے امن کا باعث بنتی ہے اور ایمان والوں کا مجموعہ اگر واقعتاً ایمان کے تقاضوں پر عمل کرے تو ایک گھر یا معاشرے کو ہی نہیں پورے عالم کو امن میسر آ سکتا ہے۔

اس دعا کا دوسرا حصہ اسلام اور سلامتی کے متعلق ہے:

((وَالسَّلَامَۃِ وَالإِسْلَامِ)) ”اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ۔“

اسلام کا مطلب ہے: اپنے آپ کو اللہ کے سامنے سرنڈر کر دینا اور یہ پارٹ ٹائم جاب نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً ص﴾ (البقرہ: 208)

”اسلام میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے۔“

اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کے سامنے سرنڈر کر دینا اسلام ہے اور جب بندہ ایسا کر لے تو وہ مکمل طور پر سلامتی میں آ جاتا ہے۔ اسی سلامتی کی دعا ہم دوسروں کے لیے بھی مانگتے ہیں۔ دعا کا تیسرا حصہ توفیق اور اللہ کی رضا کے متعلق ہے:

((التوفیق والترضیٰ)) ”اے اللہ اس توفیق کے ساتھ جسے تو پسند فرماتا ہے اور جس سے تو راضی ہو جاتا ہے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ ایسے اعمال کی توفیق عطا فرما دے جو تیری رضا کے حصول کا ذریعہ بنیں۔ پھر چاند کو خطاب کر کے اللہ کے رسول ﷺ فرماتے:

((رَبِّیْ وَرَبُّكَ اللّٰہُ)) ”(اے چاند!) میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔“

مرتب: ابو ابراھیم

یہ سورج، چاند، ستارے، کہکشائیں اور پوری کائنات کو بنانے والا رب اللہ تعالیٰ ہے اور اس کائنات کا نظام چلانے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے۔

((ھِلَالُ رُشْدٍ وَخَیْرٍ)) ”(یہ) ہدایت اور بھلائی کا چاند ہے۔“

یہ سنت رسول ﷺ ہے جس کا اہتمام ہمیں بھی اسلامی سال کے آغاز میں کرنا چاہیے۔ نیو ایئر نائٹ اور جشن وغیرہ اسلام میں ممنوع ہیں۔ ایک مسلمان کو اگر کچھ کرنا چاہیے تو وہ ہے فرائض اور واجبات کی پابندی، حرام اور ممنوع کردہ باتوں سے اپنے آپ کو بچانا۔ محرم کے مہینے کا خاص عمل 9 اور 10 محرم کا روزہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ 10 محرم کا روزہ رکھتے تھے۔ بتایا گیا کہ بنی اسرائیل بھی 10 محرم کا روزہ رکھتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر آئندہ سال تک میں زندہ رہا تو 9 محرم کا روزہ بھی رکھوں گا تاکہ بنی اسرائیل کے ساتھ مشابہت پیدا نہ ہو۔ لہٰذا بہتر عمل یہ ہے کہ 9 اور 10 محرم کا روزہ رکھا جائے۔ یہ عمل اللہ کے رسول ﷺ کی سنت سے ملتا ہے۔ باقی جو کچھ ہم ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں، ان سب باتوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر روزہ رکھیں گے تو ان بدعات سے خود بخود بچ جائیں گے۔ اسلاف نے قیمتی جملہ لکھا کہ جب بدعت آئے گی تو سنت رخصت ہو جائے گی۔ آج روزہ رکھنے کی بجائے گلی کوچوں میں بھر بھر کر لوگوں کو پلایا اور کھلایا جاتا ہے یا پھر چھٹیاں منائی جاتی ہیں۔ حالانکہ سال کے 365 دنوں میں سے کوئی دن ایسا نہیں ہے جب رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی ؓ، تابعین، تبع تابعین یا اسلاف میں سے کسی کی شہادت نہ ہوئی ہو۔ یہاں تک کہ یکم محرم کو بھی خلیفہ دوم حضرت عمر ؓ کی شہادت کا دن ہے۔ اگر ہر دن ہم چھٹی منانا شروع کر دیں تو پورا سال چھٹیوں میں گزر جائے گا۔ پھر یہ کہ 9 اور 10 محرم کی چھٹی کے ساتھ لوگ ہفتہ اتوار کی چھٹی ملا کر سیر و تفریح پر نکل جاتے ہیں، لانگ ویک اینڈ مناتے ہیں، مطلب حقیقت روایات میں کھو گئی، اُمت خرافات میں کھو گئی۔ جن کی یاد میں یہ چھٹیاں منائی جاتی ہیں انہوں نے تو سجدے میں جان دے دی، شہید ہو گئے، شدید بھوک پیاس کے باوجود بھی نہ نماز چھوڑی، نہ روزہ چھوڑا، نہ اللہ کا ذکر چھوڑا، نہ آپ ؓ کی خواتین نے پردہ چھوڑا۔ آج انہی امام حسین ؓ کی یاد میں ہم چھٹیاں منائیں، سیر و تفریح کریں، نہ نماز کا خیال، نہ روزہ، نہ اللہ کی یاد، نہ پردے کا خیال، خرافات اور بدعات کا انبار۔ یہ کیسی نسبت ہے اور کیسا طرز عمل ہے؟ اللہ کا دین تو حضور ﷺ پر مکمل ہو گیا۔ ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾ (المائدۃ: 3) ”آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے۔“ حجۃ الوداع کے موقع پر اس آیت کا نزول ہوا اور

واضح کر دیا گیا کہ آپ ﷺ پر دین کی تکمیل ہوگئی۔ اب اگر کسی دن کی فضیلت معلوم کرنی ہو یا کسی دن کا کوئی خاص عمل کرنا ہو تو رہنمائی اُسوہ رسول ﷺ سے ملے گی:
﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: 21) ''(اے مسلمانو!) تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے۔''

ہم اپنی طرف سے دین میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔ احادیث میں عاشورہ کے بارے میں روایات ملیں گی، 9 اور 10 محرم کے روزے کی سنت کا ذکر بھی ملے گا۔ کہیں اور اس کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ سیدنا حسین ؓ کی شہادت عظیم الشان شہادت ہے۔ اس کے اندر عزیمت کی عظیم داستان ہے۔ یہ نور علی نور والی بات ہوگئی کہ ایک دن پہلے سے فضیلت کا حامل تھا، اُس دن آپ ؓ کی شہادت بھی ہوگئی۔ اب شہادت کیا ہے اور فریضہ شہادت کیا ہے؟ اس حوالے سے بھی ہمیں جان لینا چاہیے۔ بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے بارہا اس موضوع پر کلام کیا ہے کہ شہادت اور فریضہ شہادت میں کیا فرق ہے۔

شہادت

شہادت کے لغوی معنی ہیں: حاضر ہونا، موجود ہونا یا گواہی دینا۔ اس لحاظ سے شہید کا لفظ مدد کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ﴾ (آیت: 133) ''کیا تم اُس وقت موجود تھے جب آ دھمکی یعقوبؑ پر موت۔'' ہاں شہید کا لفظ موجودگی کے معنی میں آیا۔ اسی کی جمع شہداء ہے۔ اسی سے لفظ شاہد بنتا ہے جس کے معنی ہیں گواہ اور شہادت کے معنی بنتے ہیں گواہی دینا۔ یہ اللہ کے نبی ﷺ کی ذمہ داری بھی تھی' البتہ آپ ﷺ کے لیے قرآن میں شاہد کا لفظ بھی آتا ہے، شہید کا لفظ بھی آتا ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت 282 قرآن پاک کی طویل ترین آیت ہے، جو کہ قرض کے موضوع پر ہے، قرض لیتے اور دیتے وقت لکھنے اور گواہ مقرر کرنے کی ضرورت اور طریقہ کار کو تفصیل سے بیان کیا گیا۔ وہاں بھی شہداء کا لفظ گواہوں کے لیے آتا ہے۔ یہی لفظ کبھی مدد کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الفتح میں فرمایا:
''وہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسولؐ کو الہدیٰ اور دین حق دے کر' تاکہ وہ غالب کر دے اسے کل کے کل نظام زندگی پر۔ اور کافی ہے اللہ مددگار کے طور پر۔'' (آیت: 28)

شہید کے مفہوم میں یہ سب شامل ہے کہ جہاں اللہ کے دین کے لیے ضرورت پڑے تو وہ گواہی بھی دے گا، جہاں اللہ کے دین کو مدد کی ضرورت پڑی تو مدد بھی کرے اور جہاں اللہ کے دین کے لیے جان دینے کی باری آئی تو جان بھی دے گا۔ ہم دوسرا کلمہ پڑھتے ہیں: ((اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ)) ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

فریضۂ شہادت

فریضہ شہادت سے مراد اللہ کے دین کی گواہی پیش کرنا ہے اور اس معنی میں شہادت یا فریضۂ شہادت کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی نبوت کی تاریخ پرانی ہے، یا انسانیت کی تاریخ پرانی ہے یا خلافت کی تاریخ پرانی ہے۔ یہ تینوں باتیں اہم ہیں اور ان میں ربط بھی ہے۔ آدم علیہ السلام پہلے انسان تھے، پہلے نبی بھی تھے اور پہلے خلیفہ بھی تھے۔ اللہ کا پیغام پہنچانا، اللہ کے دین کی گواہی دینا اور اللہ کے دین کو قائم کرنے کی کوشش کرنا فریضۂ شہادت ہے اور اسی فریضے کے لیے تمام انبیاء و رسل بھیجے گئے۔ جب انبیاء اللہ کا پیغام پہنچا رہے تھے تو وہ شہادت کا فریضہ ادا کر رہے تھے، اللہ کے دین کی گواہی پیش کر رہے تھے۔ تمام رسولوںؑ کی بنیادی ذمہ داری قرآن ہمیں بتاتا ہے:
﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (النساء: 165)
''یہ رسول (بھیجے گئے) بشارت دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر تاکہ نہ رہ جائے لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت (دلیل) رسولوں کے آنے کے بعد۔''

رسولؐ اس لیے بھیجے گئے تاکہ وہ لوگوں پر گواہ بن جائیں، حجت بن جائیں، روز محشر کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہم تک اللہ کا پیغام پہنچا ہی نہیں۔ جن لوگوں نے رسولوںؑ کی دعوت قبول کی اور ایمان لائے ان کو انہوں نے جنت کی خوشخبری دی اور جنہوں نے انکار کیا ان کو جہنم کے عذاب سے ڈرایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (النساء: 64) ''ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس لیے کہ اُس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے۔''

تمام رُسلؑ اللہ کے دین کو اپنے قول سے بھی پیش کرتے تھے اور اللہ کے دین پر عمل کر کے دکھایا بھی کرتے تھے، ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہوگی۔ جیسے فرمایا:
﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء: 80) ''جس نے اطاعت کی رسول کی اُس نے اطاعت کی اللہ کی۔''

لہٰذا پیغمبروں نے نمونہ بن کر دکھایا۔ آج نمونہ رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے۔ فرمایا: ''(اے مسلمانو!) تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے۔'' (الاحزاب: 21)

رسولوںؑ کی ایک اور ذمہ داری بھی قرآن بیان کرتا ہے اور وہ انقلابی محنت ہے۔ یعنی اللہ کی زمین پر عدل کا نظام قائم ہو اور اس کے لیے اگر قتال بھی کرنا پڑے تو کیا جائے گا۔ سورۃ الحدید میں فرمایا:
''ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ' اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان اُتاری' تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔'' (آیت: 25)

رسولوںؑ کو اس لیے نہیں بھیجا کہ وہ بس شریعت پڑھ کر سنا دیں، صرف پیغام پہنچا دیا جائے یا صرف ڈرانے اور خوشخبری سنانے کے لیے نہیں بھیجا بلکہ اس لیے بھیجا کہ ان تمام کاموں کے ساتھ وہ اللہ کے دین کو بالفعل قائم کرنے کی جدوجہد کریں۔ اسی لیے معجزات عطا ہوئے۔ شریعت کا قانون نفاذ کے لیے ہی عطا ہوا ہے۔ اس کے نفاذ سے ہی عدل و قسط کا نظام قائم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آگے فرماتا ہے:
''اور ہم نے لوہا بھی اُتارا ہے' اس میں شدید جنگی صلاحیت ہے۔'' (الحدید: 25)

انبیاء و رسلؑ نے اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے جنگیں بھی لڑی ہیں اور اُن کے لیے اسلحہ بھی تیار کیا ہے۔ مظلوموں کی دادرسی کے لیے، عدل کے نفاذ کے لیے، باطل اور ظالم نظام کو مٹانے کے لیے قتال بھی کیا گیا۔ قرآن پاک ہمیں بتاتا ہے:
﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ﴾ (آل عمران: 146) ''کتنے ہی نبی ایسے گزرے ہیں کہ جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی۔''

اللہ کی راہ میں جہاد اور قتال بھی شہادت کے زمرے میں آتا ہے۔ اللہ کے نبیوں نے اس طرح بھی اللہ کے دین کی گواہی پیش کی ہے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ نے 23 سال انقلابی جدوجہد کی تاکہ اللہ کا دین غالب ہو جائے۔ ختم نبوت کے بعد یہ ذمہ داری اس اُمت کے کندھوں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لفظ شہید رسول اللہ ﷺ کے لیے استعمال کیا ہے اور لفظ شہداء اُمت مسلمہ کے لیے

استعمال کیا ہے۔ اپنے قول سے، اپنے کردار اور عمل سے اور ایک اجتماعی جدوجہد برپا کر کے اللہ کے دین کو قائم کرنا تمام رسولوں کی ذِمّہ داری رہی اور آپ ﷺ نے اس ذِمّہ داری کو بتمام وکمال پورا کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی شانِ اقدس کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:

''اے نبیؐ! یقیناً ہم نے بھیجا ہے آپؐ کو گواہ بنا کر اور بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا۔ اور اللہ کی طرف بلانے والا اُس کے حکم سے اور ایک روشن چراغ بنا کر۔'' (الاحزاب:45،46)

یعنی آپ ﷺ نے اللہ کے دین کی گواہی بھی دی، بشارت بھی دی، جہنم سے ڈرایا بھی، دعوت بھی دی اور آپ ﷺ ہدایت کا روشن چراغ بھی بنے جس کا تعلق شہادت کے فریضے سے ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کے لیے قرآن میں شہید کا لفظ آ رہا ہے۔

''اور (اے مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک اُمتِ وسط بنایا ہے' تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسولؐ تم پر گواہ ہو۔'' (البقرہ:143)

وسط کے کئی تراجم ہیں، معتدل بھی، درمیانی بھی، بہترین بھی۔ اس اُمّت کو اُمّت وسط اس لیے بنایا تاکہ یہ لوگوں تک اللہ کے دین کی دعوت پہنچائے اور اس کے قیام کے لیے جدوجہد بھی کرے۔ تب شہادت کا فریضہ ادا ہوگا، تب گواہی پوری ہوگی ورنہ کل روزِ محشر ہم خود پکڑے جائیں گے۔ آج بڑے آرام سے ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین جہنم میں جائیں گے اور ہم جنت میں جائیں گے لیکن اگر روزِ محشر مشرکین اور یہود و نصاریٰ نے ہمارے خلاف گواہی دے دی کہ ہم نے اللہ کا پیغام اُن تک نہیں پہنچایا تھا تو اللہ کو ہم کیا جواب دیں گے؟

رسول اللہ ﷺ نے تو گواہی دے بھی دی اور لے بھی لی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: ((الاھل بلغت؟)) ''کیا میں نے اللہ کے پیغام کو تم لوگوں تک پہنچا دیا؟'' سب نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ نے حق وصیت، حق نصیحت، حق امانت ادا کر دیا، اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی اُنگلی کو آسمان کی طرف بلند کیا اور فرمایا:

((اللھم اشھد اللھم اشھد اللھم اشھد))

''اے اللہ! تو گواہ ہے (میں نے تیرا کلام پہنچا دیا)۔''

اس کے بعد فرمایا: ((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ)) ''حاضر شخص (موجود) غائب تک (اسلام کی دعوت) پہنچائے۔''

گویا رہتی دنیا تک کے مسلمانوں کے ذِمّہ دین کو پہنچانا اور قائم کرنے کی جدوجہد کرنا لازم قرار دیا۔

آپ ﷺ نے یہ شہادت کیوں پیش کی؟ سورۃ الاعراف کے شروع میں ہے: ﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝﴾ ''پس ہم لازماً پوچھ کر رہیں گے ان سے بھی جن کی طرف ہم نے رسولوں کو بھیجا اور لازماً پوچھ کر رہیں گے رسولوں سے بھی۔''

روزِ قیامت رسولوں سے بھی پوچھا جائے گا۔ کیا تم نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا؟ پھر لوگوں سے بھی پوچھا جائے گا: کیا تم تک رسولوں نے پیغام پہنچایا؟ رسول اللہ ﷺ اس سوال کی جوابدہی پر رویا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ قرآن کی تلاوت سناؤ۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے سورۃ النساء کی تلاوت شروع کی۔ جب آیت 41 پر پہنچے تو فرمایا:

((حسبک حسبک حسبک)) ''عبداللہ! رُک جاؤ!''

عبداللہ بن مسعودؓ نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری تھیں جس کی وجہ سے آپ ﷺ کی داڑھی مبارک تر ہو چکی تھی۔ اس آیت میں یہ ذکر تھا:

''تو اُس دن کیا صورت حال ہوگی جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے اور (اے نبی ﷺ) آپ کو لائیں گے ہم ان پر گواہ بنا کر۔'' (النساء:41)

روزِ محشر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو گواہ بنا کر کھڑا کریں کہ آپ ﷺ پہنچا بھی گئے، گواہی دے بھی، لے بھی گئے۔ اُس کے بعد اُمت نے کیا کیا؟ کیا کبھی ہم نے غور کیا ہے کہ ہمارے پاس کیا جواب ہوگا؟ کبھی یہ سوچ کر ہماری آنکھوں میں بھی آنسو آئے ہیں؟ اب ختم نبوت کے بعد یہ ہماری ذِمّہ داری ہے کہ ہم لوگوں پر گواہ بنیں۔ یہی شہادت کا فریضہ ہے جو ہم سب نے ادا کرنا ہے۔ اس کے بغیر نجات ممکن نہیں۔

شہید

اللہ کے دین کی دعوت اور غلبے کے لیے جو اپنا وقت، صلاحیت، مال و اسباب لگاتا ہے وہ گواہی پیش کر رہا ہے۔ اسی راستے میں جو جان کا نذرانہ بھی پیش کر دے تو وہ بتمام وکمال شہید قرار پاتا ہے۔ گوکہ قرآن پاک میں اس کے لیے مقتول کا لفظ بھی آتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ﴾ (البقرۃ:154) ''اور مت کہو اُن کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں کہ وہ مردہ ہیں۔''

اسی طرح احادیث میں اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کے لیے شہید کا لفظ بھی آتا ہے، مقتول کا لفظ بھی آتا ہے۔ دورِ نبویؐ میں کم و بیش 269 صحابہؓ نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے، غزوۂ تبوک کے ذریعے آپ ﷺ انقلاب نبوی کی توسیع کا آغاز کر کے گئے۔ خلفائے راشدین کے 30 برس کے دور میں 22 لاکھ مربع میل تک بتمام و کمال دین کی شان و شوکت نظام کی سطح پر دکھائی دیتی ہے لیکن جن کے مفادات پر ضرب پڑی، انہوں نے سازشیں شروع کیں، خاص طور پر یہود کا معاملہ اور عبداللہ بن سبا کی سازش سامنے آئی۔ اس کے نتیجے میں یکم محرم الحرام کو حضرت عمرؓ کی شہادت ہوئی، 18 ذی الحجہ کو سیدنا عثمانؓ کی شہادت ہوئی، 21 رمضان کو سیدنا علیؓ کی شہادت ہوئی۔ اس سے قبل سیدنا صدیق اکبرؓ کے دور میں منکرین زکوٰۃ کے خلاف قتال میں سینکڑوں صحابہؓ شہید ہوئے۔ پھر جب خلافت کی بجائے ملوکیت والا نظام آ گیا تو اس کے خلاف نواسۂ رسول سیدنا حسینؓ کھڑے ہوئے آپؓ سمیت کئی مسلمانوں کی شہادتیں ہوئیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شہادت کا فریضہ ہر مسلمان پر عائد ہوتا ہے۔ اللہ کے دین کی دعوت، اس کے غلبے کی جدوجہد، اللہ کے نظام کی توسیع اور دفاع کے لیے، فتنوں کے خاتمے کی جدوجہد کرنا فریضۂ شہادت ادا کرنا ہے، یہ ختم نبوت کا تقاضا اور اس کے بغیر نجات ممکن نہیں اور اس راستے میں جو جان کا نذرانہ پیش کریں وہ بتمام وکمال شہید ہوتے ہیں۔ آج ہم تنہائی میں بیٹھ کر ذرا سوچیں کہ کیا ہم یہ فریضہ ادا کر رہے ہیں؟ کیا ہم ختم نبوت کے تقاضوں پر عمل کر رہے ہیں؟ کیا ہم اپنی اُخروی نجات کے حوالے سے سنجیدہ ہیں؟ کتنے فیصد لوگ اذان کی آواز سن کر مسجد میں آتے ہیں، فجر کی باجماعت نماز کے لیے کتنے فیصد مسجد میں جاتے ہیں؟ کونسی گواہی دے رہے ہیں؟ سود کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ ہم جاری رکھے ہوئے ہیں، اللہ کے احکامات سرِعام توڑے جا رہے ہیں، فحاشی و عریانی، جوئے، سٹے اور شراب کی کھلی اجازت دے رکھی ہے، یہ سب کر کے ہم کون سی گواہی دے رہے ہیں۔ ہم محرم کی چھٹیاں مناتے ہیں، سیر و تفریح کرتے ہیں، ہلا گلا ہوتا ہے، مگر کیا ہم نے سوچا ہے کہ ان دنوں کا اصل تقاضا کیا ہے اور ہم کس طرف جا رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❀❀❀

فرائض دینی کا جامع تصور

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

آپ ایک تین منزلہ عمارت کا تصور اپنے ذہن میں قائم کریں جس کی پہلی منزل پر صرف چار ستون کھڑے ہیں۔ ستونوں کے علاوہ نہ کوئی دیواریں ہیں اور نہ کوئی کمرے وغیرہ ہیں۔ آج کل کے رواج کے مطابق گویا پارکنگ لاٹ کے طور پر وہ جگہ چھوڑ دی گئی۔ البتہ اس پہلی منزل کے نیچے ایک بنیاد ہے اور ان بنیادوں پر یہ چاروں ستون کھڑے ہیں۔ پھر ان بنیادوں کے بھی دو حصے ہیں' ایک حصہ وہ ہے جو نظر آ رہا ہے اور وہ سطح زمین سے اوپر ہوتا ہے' جسے آپ پلنتھ (plinth) اور کرسی بھی کہہ دیتے ہیں۔ یہ بھی بنیاد ہے' لیکن اصل بنیاد وہ ہے جو زیر زمین ہے اور نظر نہیں آتی۔ ظاہر بات ہے کہ عمارت کی مضبوطی کا سارا دارو مدار اس پر ہے۔ جتنی اونچی عمارت آپ نے بنانی ہے اس کی بنیاد اتنی ہی گہری ہونی چاہیے۔

دین کی بنیاد: ایمان اور اسلام!

اس سہ منزلہ عمارت کے نقشہ کو ذہن میں رکھیے۔ دیکھیے اسلام تو گویا نقطۂ آغاز ہے۔ اسلام کی عمارت پانچ ستونوں پر قائم ہے۔ ان میں سے پہلا اِقْرَارٌ بِاللِّسَان ہے جو پلنتھ لیول ہے۔ ظاہر ہے کہ جب آپ نے اقرار کیا اور کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ تو لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ شخص مسلمان ہے۔ یہ تو گویا عمارت کی بنیاد کا وہ حصہ ہے جو لوگوں کو نظر آتا ہے۔ لیکن ایک ہے ایمان یعنی تصدیق بالقلب' اور یہ درحقیقت اصل بنیاد ہے جو نظر نہیں آتی۔ دل میں ایمان ہے یا نہیں' ہمیں نظر نہیں آتا' لیکن اصل ایمان وہی ہے۔ سورۃ الحجرات میں فرمایا: ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ﴾ ''یہ بدو کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ (اے نبی ﷺ ان سے) کہہ دیجیے: تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو' بلکہ تم یوں کہو کہ ہم مسلمان (اطاعت گزار) ہو گئے ہیں اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا'' (آیت: 16)

دین کے چار ستون: نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ

یوں سمجھئے کہ ہم نیچے سے اوپر کی طرف چل رہے ہیں۔ اصل بنیاد ہے ایمانِ قلبی' یعنی یقین والا ایمان اور اس کے بعد پلنتھ کی حیثیت رکھتا ہے زبان سے گواہی دینا۔ اس کے اوپر چار ستون چار عبادات ہیں: نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔'' (متفق علیہ)

دین کے ان چار ستون پر اوپر کی تینوں چھتوں کا وزن ہے۔ پہلی چھت کے بارے میں آپ اچھی طرح نوٹ کر لیں کہ اس کے لیے چار اصطلاحات ہیں۔

(1) اسلام: اسلام کے معنی ہیں: سرتسلیم خم کر دینا' ہتھیار ڈال دینا (to surrender)۔ گویا ایک لڑائی ہو رہی تھی' اس میں آپ نے ہار تسلیم کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے' سرتسلیم خم کر دیا۔

(2) اطاعت: یہ دوسری اصطلاح ہے۔ اطاعت یہ ہے کہ اپنی دلی مرضی اور خوشی کے ساتھ اللہ اور رسول ﷺ کا کہنا ماننا۔ ایک ہے مجبوری سے ماننا' اسلام تو وہ بھی شمار ہو جائے گا اور اس سے بھی جان ومال کو تحفظ حاصل ہو جائے گا' لیکن یہ اطاعت شمار نہیں ہو گی۔ جیسے اپنی جان بچانے کے لیے کسی کا اسلام کا اعلان کر دینا۔ حضرت اسامہ ؓ کے ساتھ بالفعل ایسا واقعہ پیش آیا تھا۔ ایک جنگ میں حضرت اُسامہؓ کا ایک مشرک سے دو بدو مقابلہ ہوا۔ مشرک نے جب دیکھا کہ میری تو اب بس ہو گئی ہے اور اب میں کچھ نہیں کر سکتا تو اس نے فوراً سے کلمہ پڑھ دیا: لیکن حضرت اسامہؓ نے اسے قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کا پتا چلا تو آپؐ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ حضرت اسامہؓ نے وضاحت پیش کی کہ حضور! اس نے تو جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا؟ ------ اگرچہ اُس نے جان بچانے کے لیے ہی کلمہ شہادت پڑھا ہو' لیکن ہمیں حکم یہی ہے کہ کسی کے کلمہ پڑھ لینے کے بعد اس پر تمہاری تلوار نہیں چلنی چاہیے' اس لیے کہ کلمہ بہت بڑی ڈھال ہے۔ لیکن اطاعت کا مفہوم یہ ہے کہ دلی آمادگی کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرنا۔ اطاعت کے بارے میں قرآن مجید میں متعدد بار یہ حکم آیا ہے: ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ لیکن سورۃ النساء میں اللہ اور رسول کے ساتھ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

(3) تقویٰ: تیسری اصطلاح ہے۔ یعنی پوری زندگی احتیاط کے ساتھ اور پھونک پھونک کر قدم رکھنا کہ کہیں حدود اللہ پامال نہ ہو جائیں' کہیں غیر شعوری طور پر بھی اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کا ارتکاب نہ ہو جائے۔ اس کا نام تقویٰ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ (آل عمران: 102) ''اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے۔''

(4) عبادت: دین کی پہلی چھت کے حوالے سے اب تک تین چیزیں بیان ہوئی ہیں: (1) اسلام یعنی سرنڈر کرنا' (2) اطاعت یعنی دلی آمادگی سے اللہ اور رسول کا حکم ماننا' اور (3) تقویٰ یعنی پوری احتیاط ملحوظ رکھنا کہ کہیں قدم حدود اللہ سے تجاوز نہ کر جائیں۔ بلکہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ فاصلے پر رہیں اور اس کے قریب بھی نہ جائیں۔ اب ان سب کو جمع کریں تو ایک لفظ بنتا ہے: عبادت! اللہ کی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر ہمہ تن' ہمہ وقت' ہمہ وجوہ اللہ کی بندگی اور اطاعت کرنا عبادت ہے۔ درحقیقت یہ پہلی چھت کے لیے چار اصطلاحات ہیں اور یہ چاروں بہت قریب قریب ہیں' لیکن ان چاروں اصطلاحات کو الگ الگ ذہن میں رکھیے' اس لیے کہ قرآن مجید کے مضامین اور اس کی حکمتوں کو سمجھنے اور جاننے کے لیے ان سے واقفیت حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔

عبادت کے لیے یہ عبادات (یعنی نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ) فرض کر دی گئی ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اکثر و بیشتر لوگ صرف ان عبادات کو ہی عبادات سمجھ بیٹھے ہیں۔ حالانکہ عبادت تو یہ ہے کہ ہمہ تن' ہمہ وقت' ہمہ وجوہ اللہ کی اطاعت اس کی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر کرنا۔ کیا آپ 24 گھنٹے نماز پڑھتے ہیں؟ کیا آپ روزانہ روزہ

رکھتے ہیں؟ ظاہر بات ہے کہ یہ چاروں تو عبادات ہیں' جو شامیانے کے چار بانسوں کی مانند ہیں' جبکہ عبادت گویا اصل شامیانہ ہے۔

دین کی عمارت میں چار ستون ہیں اور ان ستونوں کے اوپر پہلی چھت بھی ہے اور پھر انہی کے اوپر دوسری چھت بھی پڑی ہوئی ہے۔ جیسے پہلی چھت کے لیے چار اصطلاحات تھیں اسی طرح اس دوسری چھت کے لیے بھی چار الفاظ/ اصطلاحات نوٹ کر لیجیے۔

(1) **تبلیغ:** یعنی اللہ کے دین اور اللہ کی کتاب کی تبلیغ۔ نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ﴾ (المائدۃ: 67) ''اے رسول (ﷺ) پہنچا دیجیے جو کچھ نازل کیا گیا ہے آپؐ کی طرف آپؐ کے رب کی جانب سے''۔ اس میں کوئی کتمان نہیں کرنا ہے اور نہ اس ضمن میں خود سے کوئی فیصلہ کرنا ہے کہ اس بات کو پہنچا دوں اور یہ نہ پہنچاؤں' بلکہ تمام کا تمام پہنچانا آپ پر فرض ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے وہ آیات بھی امت تک پہنچائی ہیں جن میں بظاہر احوال اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ پر عتاب ہوا ہے۔ مثلاً: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ج﴾ (التحریم: 1) ''اے نبی (ﷺ) آپ کیوں حرام ٹھہرا رہے ہیں (اپنے اوپر) وہ شے جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کی ہے؟'' اسی طرح سورۂ عبس کی ابتدائی آیات کا معاملہ ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''تیوری پر بل پڑ گئے اور انہوں نے رخ موڑ لیا' اس لیے کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا۔ اور (اے نبی ﷺ) آپ کو کیا معلوم شاید کہ وہ تزکیہ حاصل کرتا' یا وہ نصیحت حاصل کرتا اور وہ نصیحت اس کے لیے مفید ہوتی۔ لیکن وہ جو بے نیازی دکھاتا ہے' آپ اس کی فکر میں رہتے ہیں۔ اور اگر وہ پاکی اختیار نہیں کرتا تو آپ پر کوئی الزام نہیں۔ اور وہ جو آپؐ کے پاس چل کر آیا ہے' اور اس کے دل میں خشیت بھی ہے' اس سے آپؐ استغناء برت رہے ہیں۔''

حضور اکرم ﷺ نے خود فرمایا کہ یہ آیات عبداللہ بن اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ کے بارے میں اُتری ہیں----

حضرت عبداللہ بن اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا صحابیؓ تھے۔ ایک دن وہ حضور اکرم ﷺ کے پاس اُس وقت آئے جب قریش کے بڑے بڑے سردار آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپؐ انہیں تبلیغ کر رہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ اپنی ذاتی منفعت کے لیے تو کچھ نہیں کر رہے تھے' بلکہ آپؐ تو مسلمانوں ہی کی بھلائی کے لیے یہ سب کر رہے تھے کہ اگر یہ بڑے سردار ایمان لے آئیں تو اس وقت جو غریب مسلمان بیچارے ستائے جا رہے ہیں' ان کو کچھ نہ کچھ ریلیف مل جائے گا۔ جیسے حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما اسلام میں داخل ہوئے تو بہت سے مسلمانوں کو بہت کچھ ریلیف ملا تھا۔ لیکن عبداللہ بن اُمِّ مکتومؓ کو چونکہ پتا نہیں تھا تو وہ بار بار حضور ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کر رہے تھے۔ اس پر حضور اکرم ﷺ کو کچھ ناگواری کا احساس ہوا اور آپؐ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ اس پر یہ آیات نازل ہو گئیں۔

ان آیات کے نزول کے بعد عالم یہ تھا کہ عبداللہ بن اُمِّ مکتومؓ جب بھی آتے تھے تو آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: مَرْحَبًا بِالَّذِيْ اَعْتَبَنِيَ اللّٰهُ مِنْهُ ''مرحبا اس شخص کے لیے جس کے معاملے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر عتاب فرمایا''۔ بہرحال یہ ہے تبلیغ اور اللہ کے رسول ﷺ نے یہ فریضہ مکمل طور پر ادا کیا۔

(2) **دعوت:** دوسری چھت کے ضمن میں یہ دوسری اصطلاح ہے۔ دعوت اور تبلیغ تقریباً ہم معنی لفظ ہیں لیکن ان میں کچھ فرق بھی ہے۔ میں ان چیزوں کا ربط آپ کے سامنے ظاہر کر رہا ہوں۔ تبلیغ میں آپ خود پہنچ کر بات پہنچاتے ہیں جبکہ دعوت میں آپ اس بندہ کو اللہ کی طرف کھینچ کر لاتے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک ہی عمل کے دو پہلو ہیں۔ تبلیغ یعنی بات کا پہنچانا اور دعوت یعنی کسی کو بلانا اور کھینچ کر لانا۔

(3) **امر بالمعروف ونھی عن المنکر:** یہ انہی دو باتوں یعنی دعوت و تبلیغ کے ضمن میں دوسری چھت کی تیسری اصطلاح ہے۔ ''واضح رہے کہ ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' (بھلائی کا حکم دینا اور بدی سے روکنا) ایک ہی اصطلاح ہے۔ یہاں یہ یاد رکھیے کہ امر بالمعروف تو ہر سطح پر ہوگا' البتہ نہی عن المنکر صرف وہیں ہوگا جہاں آپ کو اختیار حاصل ہے۔ آپ کو اپنے گھر میں اختیار حاصل ہے کیونکہ آپ سربراہِ خاندان ہیں۔ آپ کا بچہ نماز نہیں پڑھ رہا تو آپ اسے مار سکتے ہیں' لیکن آپ پڑوسی کے بچے کو نماز نہ پڑھنے پر مار نہیں سکتے۔ ہاں نیکی کی تلقین ہر وقت کی جا سکتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ کوئی آپ کو جھڑک دے گا کہ کہاں سے آئے تم مجھے ہدایت کرنے اور سمجھانے؟ چنانچہ امر بالمعروف تو ہمیشہ کرنا ہے' لیکن نہی عن المنکر اپنے دائرہ اختیار میں۔ خاص طور پر بڑے پیمانے پر یہ اُس وقت ہوگا جب اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی اور یہ حکومت کا فرض ہوگا۔ اس بارے میں فرمایا گیا: ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ﴾ (الحج: 41) ''وہ لوگ کہ اگر انہیں ہم زمین میں تمکن عطا کر دیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔''

(4) **شہادت علی الناس:** اب ان تمام الفاظ یعنی (۱) تبلیغ' (۲) دعوت اور (۳) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو جمع کریں گے تو ایک لفظ بنے گا: شہادت علی الناس! اور یہ دین کی دوسری چھت کی دوسری اصطلاح ہے۔ دیکھیے دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر انفرادی سطح پر بھی کرنا ہے اور اجتماعی سطح پر بھی' اور اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں پر اللہ کی طرف سے حجت قائم ہو جائے اور وہ قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکیں کہ اے اللہ ہم تک تو تیرا پیغام کسی نے پہنچایا ہی نہیں تو ہم سے مواخذہ کیسا؟ ہم سے محاسبہ کس بات کا؟ لہٰذا یہ انبیاء اور رسولوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ لوگوں تک اللہ کے پیغام کو پہنچائیں' اس لیے کہ وہ تو بھیجے ہی اس مقصد کے لیے جاتے ہیں تاکہ لوگوں پر حجت قائم کر دیں۔ اس بارے میں سورۃ النساء میں فرمایا گیا: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۱۶۵﴾ ''یہ رسولؑ (بھیجے گئے) بشارت دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر تاکہ نہ رہ جائے لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت (دلیل) رسولوں کے آنے کے بعد۔ اور اللہ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

ختم نبوت کے بعد اب یہ مقصد بحیثیت مجموعی اُمتِ مسلمہ کی ذِمہ داری ہے۔ اُمت نے چونکہ اس میں کوتاہی کی ہے لہٰذا صدیوں سے اللہ کی سزا کی گرفت میں ہے۔ میری ایک کتاب ہے: ''سابقہ اور موجودہ مسلمان اُمتوں کا ماضی' حال اور مستقبل''۔ سابقہ اُمتِ مسلمہ یہود کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ اللہ کی طرف سے ان پر کیسے کیسے عذاب آئے اور کیوں آئے' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی تھی۔ اس کا ذکر سورۃ البقرۃ میں دو دفعہ (آیت 47 اور 122) آیا ہے: ﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ ''اے یعقوب کی اولاد! یاد کرو میرے اُس انعام کو جو میں نے تم پر کیا اور یہ کہ میں نے تمہیں فضیلت عطا کی تمام جہان والوں پر''۔ لیکن تمہارے کرتوت یہ تھے کہ تم نے میری کتاب کو پس پشت ڈال دیا: ﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ

﴿وَلَمَّا جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ نَبَذَ فَرِيۡقٌ مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ كَاَنَّهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾ (البقرۃ) ''اور جب آیا اُن کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول (یعنی محمد ﷺ) تصدیق کرنے والا اُس کتاب کی جو ان کے پاس موجود ہے تو اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا' گویا وہ جانتے ہی نہیں۔''

اب اس کی سزا مختلف مواقع پر ان کو ملی۔ کبھی آشوریوں کے ہاتھوں ان کا قتل عام ہوا' کبھی بخت نصر کے ہاتھوں' کبھی یونانیوں کے ہاتھوں' کبھی رومیوں کے ہاتھوں۔ اس کے بعد پچھلی صدی میں جرمنوں کے ہاتھوں ان کا قتل عام ہوا ہے۔ یہ سارے عذاب اسی لیے آئے کہ انہوں نے بحیثیت اُمت مسلمہ اپنا فرض صحیح طریقے سے سرانجام نہیں دیا۔ ان میں کچھ نہ کچھ یقیناً نیکوکار بھی ہوں گے۔ قرآن مجید تو حضور ﷺ کے زمانے کے یہودیوں کے بارے میں بھی فرماتا ہے: ﴿لَيۡسُوۡا سَوَآءً ؕ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتۡلُوۡنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيۡلِ وَهُمۡ يَسۡجُدُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾ (آل عمران) ''یہ سب کے سب برابر نہیں ہیں۔ اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو (سیدھے راستے پر) قائم ہیں' رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں''۔ مزید فرمایا کہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر ان کے پاس ڈھیروں سونا رکھوا دو تو وہ اس میں رتی برابر بھی خیانت نہیں کریں گے اور تمہیں جوں کا توں واپس کر دیں گے' لیکن ان میں سے ایسے بھی ہیں کہ ان کے پاس ایک دینار بھی رکھوا دو تو وہ واپس نہیں کریں گے۔ جب کسی قوم کی اکثریت اس طرح کی ہو جائے تو پھر ان پر اللہ کا عذاب آتا ہے اور اس عذاب کی گرفت میں وہ نیکوکار بھی آجاتے ہیں۔

نص قرآنی کے مطابق اس عذاب سے صرف وہ لوگ بچائے جاتے ہیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہے' یعنی خود بھی گناہوں سے رکے رہے اور دوسروں کو بھی روکتے رہے۔ البتہ جو خود تو رکے رہے' لیکن دوسروں کو نہیں روکا تو وہ بھی عذاب کے اندر گھن کی طرح پس جاتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ الانفال میں ارشاد ہوا: ﴿وَاتَّقُوۡا فِتۡنَةً لَّا تُصِيۡبَنَّ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡكُمۡ خَآصَّةً ۚ﴾ (آیت:25) ''اور ڈرو اُس فتنے سے جو تم میں سے صرف گنہگاروں ہی کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا''۔ یعنی یہ عذاب صرف اُن کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا کہ جنہوں نے جرائم یا گناہ کیے' بلکہ وہ بے گناہ بھی اس کی لپیٹ میں آجائیں گے جو خاموش رہے' جنہوں نے دعوت و تبلیغ نہیں کی اور جنہوں نے اپنی حد امکان تک لوگوں کو برائی سے نہیں روکا۔ ظاہر بات ہے وہ بھی مجرم شمار ہوں گے اور وہ بھی اس عذاب کی زد میں آجائیں گے۔ یہ ہے شہادت علی الناس!

دین کی تیسری چھت اور تیسری منزل کے لیے بھی چار اصطلاحات ہیں دو مکی قرآن میں بیان ہوئی ہیں اور دو کا تذکرہ مدنی قرآن میں ہے۔

(1) **تکبیر رب:** مکی قرآن میں بیان شدہ پہلی اصطلاح ہے: تکبیر رب! یعنی رب کو بڑا کرو۔ رب کو بڑا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ پر اللہ کی بڑائی نہیں مانی جارہی' وہاں اُس کی بڑائی منوائی جائے۔ جہاں اس کا قانون نافذ نہیں' اور اس کے احکام کے مطابق فیصلے نہیں ہو رہے وہاں اس کا قانون نافذ کیا جائے۔ سورۃ المائدۃ میں دوٹوک انداز میں فرمایا گیا ہے: ''اور جو اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں...... وہی تو ظالم ہیں...... وہی تو فاسق ہیں''۔ (آیات: 44،45،47) یہ تو نام نہاد مسلمان ہیں اور انہوں نے اسلام کو صرف مذہب سمجھا ہے' لیکن بطور دین اور نظام کے نہیں سمجھا۔ آج پوری زمین پر ایسا کوئی خطہ نہیں ہے جہاں پر اللہ کا پورا دین قائم ہے۔ تو دنیا میں اللہ کے دین کو قائم کرنا اور اس کے قانون کو نافذ کرنا تکبیر رب ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی ابتدائی وحیوں میں سے سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات بھی ہیں جن میں تکبیر رب کا حکم ہے۔ فرمایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الۡمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمۡ فَاَنۡذِرۡ ۙ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرۡ ۙ﴿۳﴾ ''اے کمبل میں لپٹ کر لیٹنے والے (ﷺ)! اُٹھ کھڑے ہو اور (لوگوں کو) خبردار کرو! اور اپنے رب کو بڑا کرو!'' ہم نے سمجھ لیا ہے کہ تکبیر رب کے معنی ہیں اللہ کو بڑا کہنا' لیکن تکبیر کے معنی یہ نہیں ہیں۔ تکبیر کے معنی ہیں کسی شے کو بڑا کرنا اور تصغیر کے معنی ہیں کسی شے کو چھوٹا کرنا۔ تکبیر ربّ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی بڑائی مانی جائے اور اس کی حاکمیت دنیا میں بالفعل قائم کی جائے۔ پھر یہ اصطلاح سورۃ بنی اسرائیل کے اختتام پر بھی آئی ہے: ﴿وَكَبِّرۡهُ تَكۡبِيۡرًا﴾ یعنی اسے اس طرح بڑا بناؤ جیسے کہ اس کے بڑا ہونے کا حق ہے۔

(2) **اقامتِ دین:** دین کی تیسری چھت کے حوالے سے یہ دوسری اصطلاح ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں اس کا حکم دیا گیا ہے: ﴿اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ ؕ﴾ (الشوریٰ:13) ''کہ دین کو قائم کرو اور اس میں جھگڑا مت ڈالو''۔ ہاں مذہب کی سطح پر اختلاف ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ نماز میں ہاتھ سینے پر ہوں یا ناف پر یا کھول دیں' اس اختلاف پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اسی طرح رفع الیدین کا معاملہ ہے' جو بھی روایات آپ کو مضبوط معلوم ہوں ان کو اختیار کرلیں' کوئی مضائقہ نہیں۔ مذہب کی سطح پر کوئی اختلاف ہو جائے تو وہ قابل قبول ہے' لیکن دین کے معاملے میں اختلاف کسی صورت قابل قبول نہیں۔ وہاں اختلاف کریں گے بھی کیسے؟ کیا آپ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت میں اختلاف کریں گے؟ اقامتِ دین کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو لازم پکڑو' اللہ کا قانون نافذ کرو' حدود اللہ کو قائم کرو' اور اس میں کسی اختلاف میں نہ پڑو۔ ﴿شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوۡحًا وَّالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ وَمَا وَصَّيۡنَا بِهٖۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسٰٓى اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ ؕ﴾ (الشوریٰ: 13) ''(اے مسلمانو!) اللہ نے تمہارے لیے دین میں وہی کچھ مقرر کیا ہے جس کی وصیت اس نے نوحؑ کو کی تھی اور جس کی وحی ہم نے (اے محمد ﷺ) آپ کی طرف کی ہے' اور جس کی وصیت ہم نے کی تھی ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو کہ قائم کرو دین کو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو''۔ یعنی نوح کا' ابراہیم کا' موسیٰ کا' عیسیٰ (علیہم السلام) کا اور اے محمد ﷺ آپ سب کا دین ایک ہے' البتہ شریعتیں مختلف ہیں: ﴿لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا ؕ﴾ (المائدۃ:48) ''تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک شریعت اور ایک راہِ عمل طے کر دی ہے''۔ دیکھیے شریعتِ موسوی اور شریعتِ محمدیؐ میں فرق رہے گا' منہجِ عمل بھی تمام انبیاء و رسل کا ایک سا نہیں ہو سکتا' لیکن ہمارے لیے منہجِ نبوی کو اختیار کرنا لازم ہے۔

(3) **اظہارِ دینِ الحقّ علَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ:** تیسری چھت یعنی دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کے حوالے سے مکی قرآن میں دو اصطلاحات بیان ہوئی ہیں: تکبیر رب اور اقامت دین۔ پھر اس ضمن میں دو ہی اصطلاحات مدنی قرآن میں بھی بیان ہوئی ہیں۔ پہلی اصطلاح ہے: اِظۡهَارُ دِيۡنِ الۡحَقِّ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ! اور یہ قرآن مجید میں تین مرتبہ آئی ہے: ﴿هُوَ الَّذِىۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ﴾ (التوبۃ:33' الفتح:28' الصف:9) ''وہی تو ہے

جس نے بھیجا ہے اپنے رسول (محمد ﷺ) کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تاکہ غالب کر دے اسے کل کے کل دین (نظامِ زندگی) پر“۔ یعنی صرف معاشرتی نظام پر نہیں، بلکہ سیاسی نظام پر بھی اور معاشی نظام پر بھی اللہ کا دین غالب ہو۔ سود حرام ہے لہٰذا اس کو ختم کرو۔ فحاشی اور منشیات کو کمائی کا ذریعہ بنانا حرام ہے‘ لہٰذا اس کا سدباب کرو۔ یہ جو آج کل ہمارے معاشرے میں بے حیائی کو پھیلا کر اس کے ذریعے سے کمائی کے راستے اختیار کیے گئے ہیں اس سے ہمارا معاشرہ زوال کی جانب تیزی سے گامزن ہے۔ ہر شے کے اشتہار کے ساتھ عورت کی تصویر ہوتی ہے اور اخبارات میں اشتہارات کی بھرمار ہوتی ہے۔ پھر فیشن اور شوبز کے نام پر باتصویر رنگین صفحات الگ سے چھاپے جاتے ہیں‘ کہ یہ موسم گرما کا انداز ہے‘ یہ موسم سرما کا انداز ہے اور یہ بہار کے رنگ ہیں۔ یہ تمام چیزیں نہیں ہونی چاہئیں۔ لہٰذا سارے نظاموں پر اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جدوجہد ضروری ہے‘ جس کے لیے قرآن کی جامع اصطلاح ہے: اظهارُ دِينِ الحَقِّ علَى الدِّينِ كلِه۔

(4) **يَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ**: یہ بھی ایک جامع ترین اصطلاح ہے اور یہ سورۃ الانفال میں آئی ہے۔ ارشاد ہوا: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ ۚ﴾ (الانفال: 39)”اور (اے مسلمانو!) ان (کفار و مشرکین) سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (کفر) باقی نہ رہے اور دین کل کا کل اللہ ہی کا ہو جائے“۔ یعنی ان مشرکین اور کفار سے جنگ کرو اور جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فساد‘ فتنہ اور بغاوت بالکل فرو ہو جائے اور نظام پورے کا پورا اللہ کے حکم کے تابع ہو جائے۔ اس آیت میں چوٹی کی بات بیان فرمائی گئی ہے‘ اس لیے کہ جہاد کی چوٹی قتال ہے۔

یہ ہے آخری منزل اور اس بارے میں ایک بات نوٹ کر لیجیے کہ سب سے اہم پہلی منزل ہے اور سب سے بلند تیسری منزل ہے۔ پہلی اس لیے اہم ہے کہ پہلی منزل ہو گی تو دوسری بنے گی اور دوسری ہو گی تو تیسری بنے گی۔ لیکن بلند ترین آخری منزل ہے‘ جس کے لیے یہ اصطلاحات بیان ہوئی ہیں: تکبیر رب‘ ’اقامت دین‘ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا‘ اِظْهَارُ دِينِ الْحَقِّ عَلَى الدِّينِ كُلِّهٖ‘ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ!

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا صحیح فہم اور اس کے مختلف اجزاء کے باہمی ربط و تعلق کو سمجھنے اور اس کے مطابق اپنے فرائض ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے‘ آمین یارب العالمین! ۞

پریس ریلیز 24 جون 2026ء

شہادتِ سیدنا حسینؓ داستانِ عزیمت اور فریضہ شہادتِ حق کی ادائیگی کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

شجاع الدین شیخ

شہادتِ سیدنا حسینؓ داستانِ عزیمت اور فریضہ شہادتِ حق کی ادائیگی کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر شجاع الدین شیخ نے ایک بیان میں کہی۔ اُنھوں نے کہا کہ اسلام کے سیاسی نظام میں ایک دراڑ آنے پر عزیمت کا راستہ اختیار کرتے ہوئے نواسہ رسول ﷺ نے اپنی اور اپنے خاندان کے بہت سے افراد کی جان قربان کر دی۔ حقیقت میں آج مسلمانوں کی اکثریت نے اسلام کو محض عقائد، عبادات و رسومات کا ایک مجموعہ سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے جو زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی گوشوں پر محیط ہے۔ جس طرح انفرادی سطح پر عقائد، عبادات و رسومات کی دین میں اہمیت ہے، اتنی ہی اہمیت اجتماعی سطح پر اسلام کے معاشی، سیاسی اور معاشرتی نظام کی بھی ہے۔ نواسۂ رسول ﷺ سیدنا حسینؓ کی دینی غیرت و حمیت نے نظام خلافت کا ملوکیت میں تبدیل ہونا برداشت نہ کیا۔ آج غزہ، مغربی کنارے اور لبنان کے مسلمان گویا ایک کربلا کی سی کیفیت سے گزر رہے ہیں۔ پھر یہ کہ ناجائز صہیونی ریاست اسرائیل ’گریٹر اسرائیل‘ کے منصوبے کو مسلسل آگے بڑھا رہی ہے اور صہیونی آئے روز مسجد اقصیٰ پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ امریکہ، مغربی یورپ اور بھارت نے غزہ میں مسلمانوں کی نسل کشی میں اسرائیل کی مکمل مدد کی۔ گویا باطل کی تمام قوتیں غزہ کے مسلمانوں کے قتلِ عام میں بالواسطہ یا بلاواسطہ شریک رہیں۔ اگر یہود و ہنود کا گٹھ جوڑ آج بھی کسی پر واضح نہیں تو ہم دعا ہی دے سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دل کی آنکھ بھی کھولے تاکہ اشیاء اپنی اصل حقیقت کے مطابق دکھائی دیں۔ پھر یہ کہ ایران کے خلاف امریکی و اسرائیلی حملوں کے بعد عارضی جنگ بندی کے ایم او یوز MOUs پر دستخط تو ہو چکے ہیں اور اُس کے بعد سوئٹزرلینڈ میں ان کی بنیاد پر خطے میں ’مستقل جنگ بندی اور قیام امن‘ کے لیے 60 روزہ مذاکراتی عمل کا بھی آغاز ہو چکا ہے، جس میں پاکستان بھی ایک ضامن ہے، لیکن ناجائز صہیونی ریاست اسرائیل کسی نوعیت کی جنگ بندی اور امن معاہدے کو ماننے کے لیے تیار ہی نہیں۔ مسلمانوں کی موجودہ ذلت و رسوائی کا باعث یہی ہے کہ قرآن و سنت کے طے شدہ نظام یعنی نظامِ خلافت کو ترک کر کے مغرب سے درآمد شدہ نظام کو عالمِ اسلام پر نافذ کر دیا گیا ہے۔ آج اسلام کے نام پر بننے والے ملک پاکستان میں اسلامی نظام کی سیاسی، سماجی اور معاشی بنیادیں ڈھیر کر دی گئیں ہیں لیکن مسلمانانِ پاکستان ٹس سے مس نہیں ہو رہے۔ ہمیں اسوۂ حسینیؓ سے رہنمائی لیتے ہوئے باطل کے خلاف ڈٹ جانا ہوگا اور فریضہ شہادتِ حق ادا کرنا ہوگا تاکہ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی مل سکے۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان)

دجال کی عالمی حکومت اور نیو ورلڈ آرڈر کی حقیقت

قسط: 6

رفیق چودھری

بنی اسرائیل نے عہد توڑ دیا

موجودہ اُمت مسلمہ ہو یا سابقہ اُمتیں ہوں سب کے لیے اللہ تعالیٰ کا قانون ایک ہے۔ تمام اُمتوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہی تھا کہ اگر وہ اللہ کے دین پر قائم رہیں گی تو ان سے کیے گئے وعدے پورے ہوں گے۔ لیکن اگر وہ اللہ کے دین کو چھوڑ دیں تو نہ صرف وعدہ شدہ انعامات سے محروم ہو جائیں گی بلکہ اُن پر عذاب بھی آئیں گے۔ بنی اسرائیل کی تمام مذہبی کتابیں اس الٰہی قانون کو نہ صرف یہ کہ بار بار بیان کرتی ہیں بلکہ اس کے بار بار نفاذ کے تذکروں سے بھی بھری پڑی ہیں۔ جب جب بنی اسرائیل، ابراہیمؑ کے دین پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے رہے تب اللہ نے انہیں سرزمین فلسطین میں پناہ بھی دی اور انہیں عزت کے ساتھ سلطنت اور حکومت بھی عطا کی لیکن جب جب انہوں نے اللہ کے دین سے سرکشی، غداری اور بے وفائی کا ارتکاب کیا تب تب اللہ نے انہیں سزا بھی دی اور اس سرزمین سے نکال باہر بھی کیا۔ مثال کے طور پر مصر سے واپسی کے بعد بنی اسرائیل کو بار بار وارننگ دی گئی تھی کہ کنعان کی مشرک قوموں کے ساتھ معاہدے، دوستیاں اور رشتہ داریاں نہ کرنا اور نہ ہی ان کے دین پر چلنا(1):

"جب خُداوند تیرا خُدا تجھ کو اُس ملک میں پہنچا دے گا جس پر قبضہ کرنے کو تُو جا رہا ہے اور تیرے آگے سے بہت سی قوموں کو نکال دے گا۔۔ تو تُو اُن سے عہد نہ باندھنا اور نہ اُن پر رحم کرنا۔ نہ تُو اُن کے ساتھ شادی بیاہ کرنا۔ نہ تُو اپنی بیٹی اُن کے بیٹے کو دینا اور نہ اُن کی بیٹی اپنے بیٹے کے لیے لینا۔ کیونکہ وہ تیرے بیٹے کو مجھ سے برگشتہ کر دیں گی تاکہ وہ اور معبودوں کی عبادت کریں، تب خُداوند کا قہر تم پر بھڑکے گا اور وہ تجھ کو جلد ہلاک کر دے گا۔'' (استثناء7، آیات 1 تا 4)

لیکن بنی اسرائیل نے عہد کی خلاف ورزی کی:

"اسرائیلی کنعانیوں، حتیوں، اموریوں، فرزیوں، حویوں، یبوسیوں کے درمیان ہی آباد ہو گئے۔ نہ صرف یہ بلکہ ان قوموں سے اپنے بیٹوں کا رشتہ باندھ کر ان کے دیوتاؤں کی پرستش بھی کرنے لگے۔ اسرائیلیوں نے ایسی حرکتیں کیں جو رب کی نظر میں بُری تھیں۔ رب کو بھول کر انہوں نے بعل دیوتا اور عشتارات کی پوجا کی۔ تب رب کا غضب ان پر نازل ہوا۔" (قضاۃ3، آیت 5 تا 8)

عہد یہ تھا کہ اگر بنی اسرائیل اللہ کے دین پر قائم رہیں گے تو انہیں کنعان کی سرزمین میں برکت، سلطنت اور حکومت عطا کی جائے گی اور باقی قومیں وہاں سے نکل جائیں گی لیکن جب بنی اسرائیل نے خود اس عہد کو توڑ دیا اور بابل کے انہی دیوتاؤں (بعل اور عشتارات کی پوجا کا آغاز بابل سے ہی ہوا تھا) کی پرستش شروع کر دی جن کی مخالفت حضرت ابراہیمؑ نے کی تھی تو الٰہی فیصلہ صادر ہو گیا کہ کنعان میں پہلے سے جو قومیں آباد ہیں وہ وہاں آباد رہیں گی اور ان کے ذریعے بنی اسرائیل کو آزمایا جائے گا۔ کتاب قضاۃ بیان کرتی ہے:

"جب ہمعصر اسرائیلی سب مر کر اپنے باپ دادا سے جا ملے تو نئی نسل اُبھر آئی جو نہ اللہ تعالیٰ کو جانتی تھی اور نہ ہی ان کاموں سے واقف تھی جو اللہ نے اسرائیل کے لیے کیے تھے۔ ان کے اعمال ایسے ہو گئے جو رب کو بہت ناپسند تھے۔ انہوں نے بعل دیوتا کے بتوں کی پرستش کر کے اپنے اُس رب کو ناراض کر دیا جو انہیں مصر سے نکال لایا تھا۔ اس سے رب کا غضب بھڑکا کیونکہ انہوں نے رب کو چھوڑ کر بعل اور عشتارات کی پوجا کی تھی۔۔ وہ اپنی شریر حرکتوں اور ہٹ دھرمیوں سے باز آنے کے لیے تیار ہی نہ ہوتے۔ اس لیے اللہ کو بنی اسرائیل پر بڑا غصہ آیا۔ اُس نے کہا اس قوم نے وہ عہد توڑ دیا جو میں نے ان کے باپ دادا سے باندھا تھا۔ یہ قوم میری نہیں سنتی اس لیے میں ان قوموں کو نہیں نکالوں گا جو یشوع کی موت سے لے کر آج تک اس ملک (کنعان) میں رہ گئی ہیں۔ یہ قومیں اسی میں آباد رہیں گی اور میں ان کے ذریعے بنی اسرائیل کو آزماؤں گا کہ وہ اپنے باپ دادا کے دین پر چلتے ہیں یا نہیں۔" (قضاۃ، باب2)

کتاب قضاۃ، باب 3 میں مزید تفصیل موجود ہے:

"رب نے کئی قوموں کو کنعان میں رہنے دیا۔ فلستی ان کے پانچ حکمرانوں سمیت، تمام کنعانی، صیدانی اور لبنان کے پہاڑی علاقوں میں رہنے والے حوی جو بعل حرمون پہاڑ سے لے کر حمات تک آباد تھے۔ ان سے رب اسرائیلیوں کو آزمانا چاہتا تھا کہ یہ میرے اُن احکامات پر عمل کرتے ہیں یا نہیں جو میں نے موسیٰؑ کے ذریعے ان کے باپ دادا کو دیئے تھے۔" (قضاۃ، باب3)

عہد نامہ قدیم میں پوری تفصیل بیان ہوئی ہے کہ بنی اسرائیل کی عہد شکنی کی وجہ سے کبھی مصری بادشاہوں نے اُن پر چڑھائی کی اور کبھی شام کی دوسری قوموں کے ذریعے ان کو سزا دی گئی لیکن یہ پھر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے تو آخر کار اللہ تعالیٰ نے بابل کے بادشاہ بخت نصر کو ان پر مسلط کر کے سخت سزا دی جس نے نہ صرف ان کا قتل عام کیا بلکہ ہیکل سلیمانی کو بھی تباہ کر کے سب کچھ لوٹ کر اور لاکھوں یہودیوں کو قیدی بنا کر بابل لے گیا۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی وقت خبردار کر دیا تھا جب سلیمانؑ کے دور میں ہیکل سلیمانی کی تعمیر شروع ہوئی تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ پر جو وحی نازل فرمائی تھی اس میں بھی واضح کر دیا گیا تھا کہ اس سرزمین کا وعدہ مشروط ہے:

"لیکن خبردار! اگر تو مجھ سے دور ہو کر میرے دیئے گئے احکام اور ہدایات کو ترک کرے بلکہ دیگر معبودوں کی طرف رجوع کر کے اُن کی خدمت اور پرستش کرے گا تو میں اسرائیل کو جڑ سے اُکھاڑ کر اُس ملک سے نکال دوں گا جو میں نے اُن کو دے دیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ میں اس گھر (ہیکل) کو بھی رد کر دوں گا جو میں نے اپنے نام کے لیے مخصوص و مقدس کر لیا ہے۔ اُس وقت میں اسرائیل کو تمام اقوام میں مذاق اور لعن طعن کا نشانہ بنا دوں گا۔ اس شاندار گھر کی بری حالت دیکھ کر یہاں سے گزرنے والے تمام لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے اور وہ پوچھیں گے کہ رب نے اس ملک اور اس ٹمپل کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا؟ تب لوگ جواب دیں گے اس لیے کہ جو رب ان کے باپ دادا کو مصر سے نکال کر یہاں لایا اُسی کو یہ لوگ ترک کر کے دیگر معبودوں سے چمٹ گئے۔ چونکہ وہ اُن کی پرستش

اور خدمت کرنے سے باز نہ آئے۔ اس لیے اُس نے انہیں اس ساری مصیبت میں ڈال دیا ہے۔''

(تواریخ دوم، باب 7 آیات 19 تا 22)

لیکن اس واضح وارننگ کو بھی فراموش کر دیا گیا اور سلیمانؑ کی وفات کے بعد شرک اور بت پرستی شروع ہوگئی۔ ملک دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ شمالی ریاست اسرائیل میں بچھڑے، بعل اور عشتارات کی پرستش کے ساتھ دیگر دجالی فتنے بھی اپنے عروج پر پہنچ گئے۔ نتیجتاً آشوری حکمرانوں کے ہاتھوں اسرائیل ملیا میٹ ہوگیا۔ جنوبی ریاست یہودہ میں بھی اللہ کی نافرمانیاں عروج پر پہنچ گئیں۔ تب بخت نصر کے حملے اور بابل کی اسیری سے قبل ایک بار پھر اللہ تعالیٰ نے یرمیاہ نبیؑ کے ذریعے یہودیوں کو خبردار کیا:

''اگر تم اپنی راہیں درست کرو، اور سچ بولنے لگو تو میں تمہیں اس جگہ بسا رہنے دوں گا۔'' (یرمیاہ 7، آیت 3)

اگر پردیسی اور یتیم اور بیوہ پر ظلم نہ کرو اور اس بیت المقدس میں بیگناہوں کا خون نہ بہاؤ اور غیر معبودوں کی پیروی جس میں تمہارا نقصان ہے نہ کرو تو میں تم کو بیت المقدس اور اس ملک میں بسا رہنے دوں گا جو میں نے تمہارے باپ دادا کو دیا۔ (یرمیاہ 7، آیات 6 اور 7)

''کیا تم چوری کرو گے، خُون بہاؤ گے، زِنا کاری کرو گے، جُھوٹی قسم کھاؤ گے اور بعل کے لیے بخُور جلاؤ گے اور غیر معبودوں کی جن کو تُم نہیں جانتے تھے پیروی کرو گے اور میرے گھر (بیت المقدس) میں جو میرے نام سے کہلاتا ہے آ کر کھڑے ہو گے اور کہو گے کہ ہم نے خلاصی پائی تاکہ یہ سب نفرتی کام کرو؟ کیا یہ گھر جو میرے نام سے کہلاتا ہے تُمہاری نظر میں ڈاکوؤں کا غار بن گیا؟ دیکھ خُداوند فرماتا ہے مَیں نے خُود یہ دیکھا ہے۔'' (یرمیاہ 7، آیات 8 تا 11)

لیکن بنی اسرائیل نے نہ تو یرمیاہ نبیؑ کی سنی اور نہ ہی موسیٰ وابراہیم علیہم السلام کے عہد کی پاسداری کی بلکہ ہر وہ کام کیا جس سے یہ تمام عہد ٹوٹ گئے، تب اللہ نے یرمیاہ نبیؑ سے مخاطب ہو کر کہا:

''کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ یہوداہ کے شہروں میں اور یروشلم کے کُوچوں میں کیا کرتے ہیں؟ بچے لکڑیاں جمع کرتے ہیں، باپ آگ سلگاتے ہیں اور عورتیں آٹا گوندھتی ہیں تاکہ آسمان کی ملکہ (اشتر) کے لیے روٹیاں پکائیں اور غیر معبودوں کے لیے تپاون تپا کر مجھے غضب ناک کریں۔'' (یرمیاہ 7۔ 17، 18)

اللہ تعالیٰ نے یرمیاہ نبیؑ پر واضح کر دیا کہ اب یہ قوم معافی کے قابل نہیں رہی:

''اپنے بال کاٹ کر پھینک دے اور پہاڑوں پر جا کر نوحہ کر کیونکہ خُداوند نے اُن لوگوں کو جن پر اُس کا قہر ہے رَدّ اور ترک کر دِیا ہے۔ اِس لیے کہ بنی یہُوداہ نے میری نظر میں بُرائی کی۔ خُداوند فرماتا ہے اُنہوں نے اُس گھر (ہیکل سلیمانی) میں جو میرے نام سے کہلاتا ہے اپنی مکرُوہات (بت) رکھیں تاکہ اُسے ناپاک کریں اور اُنہوں نے تُوفت کے اُونچے مقام بن ہنُوم کی وادی میں بنائے تاکہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو (مولک دیوتا کے سامنے) آگ میں جلائیں جس کا میں نے حکم نہیں دیا اور میرے دِل میں اِس کا خیال بھی نہ آیا تھا۔'' (یرمیاہ 7، 29 تا 31)

یرمیاہ باب 7 میں بنی اسرائیل کے ان تمام گھناؤنے کاموں کی تفصیل کے بعد آخر میں وہ پیشین گوئی موجود ہے جو بخت نصر کے حملے، یروشلم کی بربادی کی صورت میں پوری ہوئی:

''خُداوند فرماتا ہے اب چونکہ تم نے یہ سب کام کیے، میں نے بروقت تم کو کہا اور تاکید کی، پر تم نے نہ سنا اور میں نے تم کو بلایا اور تم نے جواب نہ دیا۔ اس لیے میں اس گھر (ہیکل سلیمانی) سے جو میرے نام سے کہلاتا ہے اور اس مکان (یروشلم) سے جسے مَیں نے تم کو اور تمہارے باپ دادا کو دیا وُہی کروں گا جو میں نے سیلا سے کیا ہے۔ اور میں تم کو اپنے حضور سے نکال دوں گا جس طرح تمہاری ساری برادری افرائیم کی کل نسل کو نکال دیا ہے۔'' (یرمیاہ 7۔ 13 تا 15)

سیلا بنی اسرائیل کا پہلا مرکزِ عبادت تھا، جہاں خیمۂ اجتماع اور عہد کا صندوق (Ark of the Covenan) رکھا گیا تھا۔ یہ مقام یشوع (Joshua) کے زمانے سے لے کر سموئیل نبی کے دور تک مقدس ترین مقام تھا۔ افرائیم کے زمانے میں اس کی برادری دینِ ابراہیم کو چھوڑ کر نمرودی دین پر چل پڑی (بعل اور اشتر کی پوجا کی) اور نتیجہ میں بت پرستی اور بے حیائی میں مبتلا ہوئی لیکن اس کے باوجود وہ سمجھ رہی تھی محض ''عہد کے صندوق'' کو جنگ میں ساتھ لے جا کر دشمن پر فتح پا لے گی۔ اللہ نے انہیں سزا دی، عہد کا صندوق بھی چھین لیا گیا اور سیلا کو مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا۔

اسی طرح بخت نصر کے حملے سے قبل یرمیاہ نبیؑ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا کہ تمام تر گھناؤنے کام کرنے کے بعد بھی تم لوگ سمجھتے ہو کہ ہیکل سلیمانی کی وجہ سے تم بخش دیئے جاؤ گے یا یروشلم میں آباد رہو گے تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے[2]۔ کتاب یرمیاہ باب 22 میں اس کی پوری تفصیل ہے اور یہ پیشین گوئی بھی کہ:

''مختلف قوموں سے لوگ اس شہر سے گزریں گے۔ وہ ایک دوسرے سے پوچھیں گے: خداوند نے اس عظیم شہر کو کیوں تباہ کر دیا۔ اس سوال کا جواب یہ ہو گا، خدا نے یروشلم کو فنا کیا، کیوں کہ یہوداہ کے لوگوں نے خداوند اپنے خدا کے ساتھ کئے گئے معاہدے کو توڑ دیا تھا۔ ان لوگوں نے غیر خدا کی عبادت کی۔''

(یرمیاہ 22، آیت 8، 9)

586 قبل مسیح میں یرمیاہ نبیؑ کی پیشین گوئی پوری ہوئی اور بخت نصر نے یروشلم پر حملہ کر کے ہیکل سلیمانی کو گرا دیا اور لاکھوں یہودیوں کو قتل کیا اور باقیوں کو اسیر بنا کر بابل لے گیا۔ یروشلم مکمل طور پر تباہ ہوگیا۔

جنوری 2025ء میں اسرائیلی سوشل میڈیا نے گریٹر اسرائیل کا جو نقشہ جاری کیا اس کے ساتھ بھی یہی تفصیل لکھی ہوئی تھی کہ 931 قبل مسیح میں سلیمانؑ کی وفات کے بعد مملکت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی: شمال میں مملکت اسرائیل اور جنوب میں مملکت یہودہ۔ شمالی مملکت اسرائیل 209 سال بعد آشوریوں کے ہاتھوں (722 قبل مسیح) اور جنوبی مملکت یہودہ 345 سال بعد بابل کے بادشاہ بخت نصر کے ہاتھوں ختم ہوگئی۔

---

(1): موجودہ اُمت مسلمہ کو بھی قرآن مجید میں بار بار وارننگ دی گئی ہے کہ یہود و نصاریٰ سے دوستی نہ کرنا، نہ ان کے دین پر چلنا مگر مسلم اشرافیہ نے نہ صرف ان سے دوستیاں اور رشتہ داریاں کر لیں بلکہ ابراہم اکارڈز جیسے اسلام دشمن معاہدے بھی کر لیے۔ لہٰذا اللہ کے اصول کا اطلاق موجود اُمت پر بھی ہو رہا ہے۔ یعنی سرزمین موعود پر قبضہ نمرود کے دین پر چلنے والوں کا ہو رہا ہے۔

(2): موجودہ اُمت مسلمہ بھی سیکولر ازم، لبرل ازم، ماڈرن ازم اور ابراہم اکارڈز وغیرہ کے نام پر دین ابراہیم سے دور ہوتی جا رہی ہے، اسی وجہ سے ہر سال حج اور عمرہ میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور دعائیں کام نہیں آ رہیں بلکہ اُمت کے حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں اور مشرک اور کافر قوموں کا غلبہ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ ❀❀❀

فتنوں کے زمانہ میں ایمان کی اہمیت اور اُس کی حفاظت کے طریقے

مولانا حفظ الرحمٰن دہلوی

اللہ تعالیٰ کی اس کائنات میں اَن گنت نعمتیں ہیں، ان نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ایمان کی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان اُس کی نعمتوں کا شکر ادا کرے، اُن کی حفاظت کرے اور اُن کی نعمتوں کے تقاضوں کو صحیح طریقوں سے پورا کرتے ہوئے اس کا اظہار کرے۔ ایمان کا شکر یہ ہے کہ ایک مسلمان اس کی حفاظت کرے اور اُسے اپنے ساتھ قبر تک لے جائے، گویا اپنے اور دوسروں کے ایمان کی حفاظت کرنا یہ اہم ترین فریضہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس حوالے سے قرآن کریم میں ایمان والوں کو حکم دیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝﴾ (آل عمران)

''اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اُس کے تقویٰ کا حق ہے اور تمہیں ہرگز موت نہ آنے پائے مگر فرمانبرداری کی حالت میں۔''

اور ایمان کا اظہار یہ ہے کہ ایمانی تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کی جائے، ایمانی صفات کے ساتھ زندگی گزارنے پر انسان کی دنیا و آخرت کی زندگی کی فلاح اور کامیابی کا دارومدار ہے اور جو دنیا میں نافرمانی والی زندگی گزارتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی دنیا کی زندگی تنگ کر دیتا ہے اور آخرت میں بھی سخت پکڑ کا سامنا ہوگا۔ کافروں کے بارے میں آتا ہے کہ کافر جب آخرت میں اللہ کے عذاب میں گھرے ہوں گے اور مسلمانوں کو جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا دیکھ کر بار بار یہ آرزو اور تمنا کریں گے کہ کاش! ہم بھی دنیا میں ایمان لے آتے، بلکہ یہ آرزو تو موت کے وقت سے ہی شروع ہو جائے گی، جب فرشتہ جان نکالنے کے لیے کھڑا ہوگا اور موت کے بعد کے حقائق آنکھوں کے سامنے آجائیں گے، اُس وقت یہ آرزو کریں گے کہ کاش! ہم بھی ایمان والوں میں ہوتے اور آج موت کے بعد جس عذاب میں ہم مبتلا ہیں، اس سے محفوظ رہتے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کافروں کی اس آرزو کو اس طرح بیان کیا ہے: ﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝﴾ (الحجر) ''ایک وقت خواہش کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔''

اس آیت کے فوائد کے ضمن میں علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ نے کافروں کی اس آرزو کے مواقع ذکر کیے ہیں:

1- دنیا و آخرت کا ہر وہ موقع جن میں کافروں کو نامرادی اور مسلمانوں کو کامیابی پیش آئے گی، کفار رو رو کر اپنے مسلمان ہونے کی تمنا اور نعمتِ اسلام سے محروم رہ جانے کی حسرت کریں گے۔

2- موت کے وقت جب عالم الغیب کا مشاہدہ ہوگا۔

3- جب بہت سے مسلمان اپنے گناہوں کے سبب دوزخ میں ہوں گے اور ایمان کی وجہ سے رحمتِ خداوندی کی بدولت جہنم سے چھٹکارہ حاصل کر کے جنت میں چلے جائیں گے۔

دنیا میں انسان اگر کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ کچھ مال دے کر اُس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرے، لیکن آخرت میں عذاب سے نجات کے لیے ایمان ضروری ہے، اس کے بغیر نہیں بچا جا سکتا، نہ کسی قسم کی رشوت چلے گی، بلکہ اگر فرض کریں وہاں کسی کے پاس مال ہو اور وہ درخواست کرے کہ میرے سے مال لے کر مجھے چھوڑ دیا جائے، تب بھی جان نہیں چھوٹے گی۔ ویسے تو ہر زمانے میں ایمان کی حفاظت ضروری رہی ہے، لیکن دورِ جدید میں جہاں ہر طرف مادیت کا ایک سیلاب ہے، ہر طرف سے فتنوں کی یلغار ہے، گویا ہر دن کوئی نہ کوئی فتنہ جنم لے رہا ہے، اس دور میں نیکی کرنا مشکل ہے تو نیکی کی حفاظت اُس سے زیادہ مشکل ہے، گویا قربِ قیامت ہے کہ انسان کی دلی کیفیت رات دن کے تغیر کے ساتھ تبدیل ہو رہی ہے، مادی دنیا کی حصول کی خاطر اپنے ایمان کو ختم کر رہا ہے، اس کو حدیث شریف میں یوں تعبیر کیا ہے:

''اعمالِ صالحہ میں جلدی کرو، قبل اس کے کہ وہ فتنے ظاہر ہو جائیں جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے (اور ان فتنوں کا اثر یہ ہوگا کہ) آدمی صبح کو ایمان کی حالت میں اُٹھے گا اور شام کو کافر بن جائے گا، اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کفر کی حالت میں اُٹھے گا، نیز اپنے دین کو دنیا کی تھوڑی سی متاع کے عوض بیچ دے گا۔'' (جامع الترمذی)

گویا آج کے اس پرفتن دور میں انسان اپنی سب سے قیمتی متاع جس پر آخرت کی کامیابی و فلاح موقوف ہے، دنیا کے چند ٹکوں کی خاطر ضائع کر رہا ہے۔ وہ دنیا جس کی ہر راحت و آسائش اور ہر تکلیف و مشقت کو فنا ہے اور موت کے وقت دنیا کی ہر چیز انسان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے، دنیا کی نعمتوں کی آخرت کی بیش بہا نعمتوں کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے، اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کیا ہے:

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝﴾ (الاعلیٰ) ''بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ جبکہ آخرت بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی۔''

آج جن فتنوں کا سامنا ہے، ان میں بہت سے تو دین کے نام پر اور اسلامی عنوانات اور شرعی اصطلاحات استعمال کر کے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں، کوئی جدیدیت کے نام پر عقائد کو کھوکھلا اور اعمال کو بے وزن کر رہا ہے، کوئی اکابر و اسلاف سے بےزاری پیدا کر رہا ہے، کوئی قرآنی آیات کی من مانی تشریح کر کے لوگوں کے لیے گمراہی کے اسباب تیار کر رہا ہے، کوئی احادیث کے متفقہ مفاہیم کو بگاڑ کر یہ باور کرا رہا ہے کہ اکابرینِ اُمت نے قرآن و حدیث کی صحیح تفسیر و تشریح نہیں کی اور خود ساختہ مفہوم نکال کر قرآن و حدیث کی تصریحات کی مخالفت کر رہا ہے، کوئی نزولِ مسیح علیہ السلام کا انکار کر رہا ہے، کوئی مہدویت کا دعوے دار بن کر اُمت کو گمراہ کر رہا ہے، غرض ہر طرف سے فتنہ پرور لوگ مسلمانوں کا ایمان خراب کر رہے ہیں اور ایمان کا سودا کرنے پر تلے ہوئے ہیں، یہ اُمت جتنا دورِ نبوی سے دور ہو رہی ہے، اتنا ہی فتنوں کے قریب ہو رہی ہے۔ فتنوں کا ایک سیلاب ہے جو تھمنے کا نام نہیں لے رہا، ہر ایک کسی نہ کسی شکل میں ان فتنوں کا شکار ہو رہا ہے۔

ایک حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''میں دیکھ رہا ہوں کہ (عن قریب) تمہارے گھروں میں فتنے اس طرح برس رہے ہوں گے، جیسے بارش برستی ہے۔'' (رواہ البخاری)

فتنہ کسے کہتے ہیں؟

ہر طرح کی آزمائش کو فتنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، مال و دولت کو بھی فتنہ کہا گیا ہے:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ

(الانفال:28)''اور جان لو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں۔''

گویا ہر وہ چیز جو انسان کو اپنے رب سے غافل کر دے فتنہ ہے، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ نے فتنہ کی تعریف یہ کی ہے کہ:''باطل کو حق کی شکل میں کیا جائے، یہاں تک کہ عام آدمی کو حق اور باطل کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہو جائے۔''

(تحفۂ قادیانیت جلد:6،ص:310)

فتنے مختلف ہیں، اس میں سے ایک انسان کا اندرونی فتنہ ہے، جس کی وجہ سے دل میں خرابی کا ہونا اور عبادت میں حلاوت کا نہ ہونا، اسی طرح کچھ خارجی فتنے ہیں، مثلاً گھر میں، اولاد میں، معاشرے میں فتنوں کا پیدا ہو جانا۔ فتنوں کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں، جن کا ذکر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے بصائر و عبر میں ایک جگہ کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

1-عملی فتنے

عملی فتنے یعنی گناہوں کی مختلف قسموں کا اُمت میں عام ہو جانا، جیسے: بے حیائی، شراب نوشی، سود خوری وغیرہ، جتنی ان برائیوں میں کثرت ہوگی، اتنا ہی نیکیوں میں کمی واقع ہوگی اور ان برائیوں کے اثرات سارے ہی اعمال صالحہ پر پڑیں گے۔

2-علمی فتنے

علمی فتنے جو علوم و فنون کے راستے سے آتے ہیں اور ان کا اثر براہ راست عقائد پر پڑتا ہے، ان فتنوں کے ذریعہ الحاد و تحریف اور تشکیک کو عام کیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں ایک مسلمان اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔''

ہر چیز کی حفاظت کے لیے کچھ تدبیریں ہوتی ہیں، جس کے ذریعہ اس چیز کی حفاظت کی جاتی ہے، اسی طرح ایمان کی حفاظت کے لیے کچھ تدبیریں ہیں، جس کے ذریعے ہم اپنے ایمان کو بچا سکتے ہیں:

1-انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کا مطالعہ

انبیاء کرام علیہم السلام کی دنیا میں بعثت کا مقصد ہی ایمان کی دعوت ہوتا ہے اور جس قدر آزمائش اس ایمان کی وجہ سے اُن پر آتی ہے، کسی اور پر نہیں آتی، اسی لیے انہیں ایمان کی سب سے زیادہ فکر ہوتی ہے، حالانکہ ان کا ایمان پر خاتمہ یقینی ہوتا ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ایمان پر خاتمہ کی دعا کرتے ہیں، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا فرمائی:

﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قف اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ج﴾ (یوسف:101)''اے وہ ہستی جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، تُو ہی میرا کارساز ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

جس چیز کی اہمیت جس قدر زیادہ ہوتی ہے، اس کی تاکید اُسی حساب سے کی جاتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو ایمان کی فکر ہر چیز سے زیادہ تھی، اس لیے اپنی اولاد کو بھی اسی کی وصیت کرتے تھے کہ ایمان پر جمے رہنا اور اسی پر مرنا جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی تھی:

''اور اسی کا حکم کر گئے ہیں ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور (اسی طرح) یعقوبؑ بھی، میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے اس دین کو تمہارے لیے منتخب فرمایا ہے، سو تم بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا۔'' (البقرۃ:132)

2-اہلِ حق علماء اور صلحاء کی صحبت اور ان کی مجالس میں شرکت

ایمان کی حفاظت اور اعمالِ صالحہ کی پابندی اور اخلاق کی درستگی کے لیے اللہ والوں کی صحبت ضروری ہے، کیونکہ انسان کے اندر یہ خاصیت ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کے خیالات و حالات سے بہت جلد متاثر ہوتا ہے اور دوسروں کا اثر قبول کرتا ہے، اسی وجہ سے نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی دینِ اسلام میں بہت تاکید آئی ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں ایمان والوں کو اس بات کا حکم دیا کہ سچوں کی صحبت اختیار کرو:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١١٩﴾﴾ (التوبۃ)''اے اہلِ ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کی معیت اختیار کرو۔''

نیک لوگوں کی صحبت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان ان کے احترام اور حیاء کی وجہ سے بہت سے گناہوں سے بچا رہتا ہے، بلکہ اہل اللہ کی صحبت 'حفاظتِ ایمان' کا بھی ذریعہ ہے۔

3-اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری اور برائیوں سے بچنا

ایمان کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ شریعت کی کامل پیروی کی جائے اور خلاف شرع امور سے اپنے آپ کو بچایا جائے، کیوں کہ نیکی اور برائی کا اثر انسان کے دل پر پڑتا ہے اور دل کی خرابی کا اثر سارے جسم پر ہوتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث آتا ہے:

''خبردار! بلاشبہ بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ ٹکڑا صالح رہتا ہے تو تمام بدن میں صالحیت رہتی ہے اور جب اس میں فساد پیدا ہوتا ہے تو پورے جسم کا نظام بگڑ جاتا ہے، خبردار! اور وہ ٹکڑا دل ہے۔'' (صحیح بخاری)

جتنی نیک اعمال کی کثرت ہوگی ایمان میں اُسی قدر مضبوطی ہوگی اور برائیاں جتنی زیادہ ہوں گی ایمان میں اُسی حساب سے کمزوری ہوگی۔ آج ہم لوگ اچھی باتیں پڑھتے ہیں، سنتے ہیں، لیکن ہمارے دلوں پر اُن کا اثر نہیں ہوتا، اس کی اصل وجہ گناہوں کی کثرت ہے۔

4-تلاوت قرآن اور ذکر و اذکار اور دعاؤں کا اہتمام

ایمان کی بقا اور فتنوں سے حفاظت کے لیے روزانہ قرآن کریم کی اور خصوصیت کے ساتھ جمعہ کے روز سورۃ الکہف کی تلاوت کا معمول اور صبح شام کے مسنون اذکار، موقع محل کی دعائیں اور ان دعاؤں کے مانگنے کا اہتمام کرنا چاہیے، جس میں ایمان و یقین کی حفاظت اور کفر وارتداد اور فتنوں سے پناہ مانگی گئی ہے۔

5-فضائل و عقائد اور فتنوں کے متعلق کتابوں کا مطالعہ اور اُن کی تعلیم

دینِ اسلام میں عقائد کی بڑی اہمیت ہے اور آخرت کی نجات عقیدہ کی درستگی پر موقوف ہے، اس اہمیت کی وجہ سے نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ ابتدا سے ہی بچے کو عقیدۂ توحید و رسالت کی تلقین ہو جائے اور جب بچہ بولنا شروع کرے تو پہلی بات جو اُسے سکھائی جائے وہ عقیدۂ توحید پر مشتمل کلمہ ہو، جیسا کہ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے بچوں کے متعلق یہ تعلیمات دی ہیں کہ:'' جب تمہاری اولاد بولنے لگے تو ان کو' لا الٰہ الا اللہ' سکھاؤ''، جب اس کے اندر کچھ سمجھ بوجھ پیدا ہو تو اس کلمہ کا مطلب اور معنی سکھایا جائے، یہ کلمہ اسلام کے تمام عقائد کو شامل ہے، گویا جو شخص اس کلمہ کا اقرار کرتا ہے، اس کے لیے ہر اُس بات پر دل و جان سے ایمان لانا فرض ہو جاتا ہے۔ آج کل بہت سے مسلمان اپنے بچوں کو دینی تعلیم اور اسلامی عقائد نہیں سکھاتے، بلکہ خود بھی ان سے ناواقف ہوتے ہیں، اس ناواقفیت کی وجہ سے بسا اوقات اسلامی عقائد کا انکار کر کے اسلام کے دائرہ سے نکل جاتے ہیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے اور ہر طرح کے فتنوں سے بچائے، آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین!

غم نہ کر

بنتِ الیقین

جب ہم انسانی زندگی پر غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ آدمؑ کی اولاد میں کوئی غریب ہو یا امیر' تندرست ہو یا بیمار' چھوٹا ہو یا بڑا' حاکم ہو یا محکوم' بااختیار ہو یا بے اختیار اُسے غم سے لازماً واسطہ پڑتا ہے۔ غم اور خوشی وہ تانا بانا ہیں جن سے انسانی زندگی بُنی گئی ہے۔ کسی کے پاس مسرت کے سامان کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں وہ کسی نہ کسی وقت غم کا شکار ہو کر ہی رہتا ہے۔ حدیث نبویؐ ہے:

''آدمؑ کا بیٹا اس حالت میں بنایا گیا ہے کہ اس کے پہلو میں ننانوے مصیبتیں ہیں۔'' (رواہ الترمذی)

غم کے اسباب اتنے زیادہ ہیں کہ انسان ایک سے بچ جائے تو کوئی دوسرا اُسے آلیتا ہے۔ دوسرے سے بچا تو تیسرا آدبوچتا ہے۔ تیسرے سے محفوظ ہو تو کوئی چوتھا حملہ آور ہو جاتا ہے۔ کبھی کسی عزیز کی موت نیم جان کر جاتی ہے۔ کبھی بے روزگاری یا قرض کی زیادتی اور آمدنی کی کمی سوہانِ روح بنی رہتی ہے۔ کبھی اپنی یا کسی رشتہ دار کی بیماری' دردوالم اور فکر وغم کا شکار بنائے رکھتی ہے۔ کبھی کوئی ذہنی اضطراب ایسی بے کلی میں مبتلا کئے دیتا ہے کہ کسی پل چین نہیں آتا۔ کبھی کسی زبردست کا خوف تو کبھی کسی زیردست کے شکوے جینا حرام کر دیتے ہیں۔ کبھی احسان کرنے والوں کی نشتروں جیسی زبانیں دل کو چھلنی کر دیتی ہیں اور کبھی وہ کہ جن پر احسان کئے گئے تھے' ایسی بے مہری اور طوطا چشمی سے کام لیتے ہیں کہ دل خون کے آنسو روتا ہے۔ کہیں بے اولاد ہونے کا غم تو کہیں کثیر اولاد کی ذمہ داریوں کا بوجھ راتوں کی نیند اڑا دیتا ہے۔ کہیں بچیوں کی شادی کا مسئلہ' کہیں رشتے داروں کی بدسلوکیاں' کہیں ہمسایوں سے اَن بَن' اپنے سے اوپر والوں کے مظالم' اپنے سے نیچے والوں کی گستاخیاں غرضیکہ غموں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو چلتا ہی چلا جاتا ہے۔

غم والم کے اس سمندر میں بہت سے غم اس خاص فتنے سے تعلق رکھتے ہیں جسے ''اولاد'' کہا گیا ہے۔ جو والدین دنیا کی زندگی میں ہی کھوئے رہتے ہیں' انہیں یہ فکر کھائے جاتی ہے کہ کسی طرح بچوں کو دُنیا کا جاہ و مال اور شان و شوکت کے سامان زیادہ سے زیادہ حاصل ہو جائیں' اور اگر دینی میلان رکھنے والے والدین ہوں تو اُن کی فکرمندی اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے' کیونکہ اُنہیں یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں بچے دین سے دور نہ ہو جائیں۔

ان لاتعداد غموں میں بہت سے غم وہ ہیں جنہیں اگر ''خودساختہ غم'' کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا' جو ہم انسانوں نے اپنے اوپر خواہ مخواہ چسپاں کر لیے ہوئے ہیں۔ کئی ایسے اسبابِ غم ہیں جن کی تہہ میں خود پسندی' فخر' غرور' تکبر' حسد' کینہ' بغض وغیرہ جیسے جذبات کارفرما ہوتے ہیں۔ غرضیکہ غم کے محرکات اَن گنت ہیں۔ لیکن انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ غموں کے آگے سر جھکا دینے کی بجائے اپنے دل کو اس طرح سمجھاتا رہے کہ ''لَا تَحۡزَنۡ'' (غم نہ کر)' اس لیے کہ: ''اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا'' (بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے) یا جیسے حضرت یعقوبؑ نے فرمایا تھا:

﴿اِنَّمَاۤ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَحُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ﴾ (یوسف:86)

''میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں۔''

ایسے ہی جب اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوطؑ کے پاس پہنچے تو حضرت لوطؑ کو خدشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں اُن کی بدکردار قوم مہمانوں کے ساتھ بدتمیزی نہ کرے' لہٰذا آپؑ ﴿سِیۡٓءَ بِہِمۡ وَضَاقَ بِہِمۡ ذَرۡعًا﴾ (العنکبوت:33) ''اُن کی وجہ سے بہت پریشان اور دل میں تنگ ہوا۔''

مگر فرشتوں نے آپؑ کو تسلی دی کہ ﴿لَا تَخَفۡ وَلَا تَحۡزَنۡ ﻗﻒ﴾ (العنکبوت:33) ''آپؑ خوف نہ کھائیں اور نہ آپؑ رنجیدہ ہوں۔''

ایسی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان غموں سے کیسے دُور رہا جائے۔ جو لوگ دین کے بتائے ہوئے اعمال حسنہ کو اپنانے کی بجائے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی نافرمانی' آخرت کی جوابدہی سے لاپروائی' باہمی نااتفاقی' ظلم و ستم' بے حیائی' بے صبری' علم کی ناقدری' زندگی سے چمٹے رہنے کی حرص جیسے رذائل صفات اپنا لیتے ہیں تو اس کا قدرتی نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ ان کے کردار کمزور ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انسانوں کو ان کے (تمام اعمال کا تو نہیں) بعض اعمال کا نتیجہ اس لیے دکھاتا ہے کہ وہ حقیقت کو سمجھیں اور اُس عقیدۂ صالح کی طرف رجوع کریں جو انبیاءؑ ہمیشہ سے انسانوں کے سامنے پیش کرتے چلے آئے ہیں۔

جو لوگ دین کے خیرخواہ ہیں اور غم سے چھٹکارا پانا چاہتے ہیں وہ غم کھاتے رہنے پر اکتفا نہ کریں بلکہ اپنی ساری قوتوں اور وسائل سے کام لے کر ان اسباب کو دُور کرنے کی کوشش کریں جو غم و اندوہ کا باعث بنتے ہیں۔ اس ضمن میں درج ذیل تین رویے نہایت موثر ثابت ہوں گے۔

تزکیۂ نفس اور دعوت دین

غموں سے دُور رہنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ خود دین پر عمل کیا جائے اور پھر اسے دوسروں تک پہنچایا جائے۔ اس کے لیے پہلے اپنے نفس کا تزکیہ کرنا ہوگا' جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ: ''افضل جہاد نفس کے ساتھ جہاد ہے۔'' کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا بھی ہوگا۔ اپنی خواہشات کو کنٹرول کرنا ہوگا۔ اپنے نفس کا محاسبہ ہر لمحہ کرتے رہنا ہوگا کہ مجھ سے ایسا کوئی گناہ یا غلطی نہ ہو جائے جس سے میرا اللہ مجھ سے ناراض ہو جائے۔ اس کے لیے بہت سی قربانیاں دینا ہوں گی اور پھر دوسروں تک حق بات پہنچانے کی حتی الامکان کوشش کرتے رہنا ہوگا۔ دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دینا مسلمان کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ اور ہمیں یہ کام زندگی کے آخری سانس تک کرتے رہنا ہوگا۔ ہمیں اس چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ ان کوششوں کے نتائج کب نکلیں گے' خلوصِ دل سے کی گئی کوششیں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔ ہمیں یاد رکھنا ہوگا کہ جنگ بدر میں جو نیکوکار شہید ہوئے تھے' انہوں نے مسلمانوں کی سلطنت قائم ہوتے نہیں دیکھی تھی۔ لیکن وہ کامیاب ترین ٹھہرے۔ لہٰذا دل کو بار بار اللہ کا وہ فرمان یاد دلانے کی ضرورت ہے۔

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اُمتِ وسط بنایا ہے' تاکہ تم دُنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہوں۔'' (سورۃ البقرہ:143)

اللہ کی رحمت پر بھروسہ

اللہ کی رحمت پر بھروسہ رکھا جائے اور اپنے غم کو اس انتہا پر جانے سے روکا جائے جہاں پر دل شکستگی انسان کو بے عمل بنا دیتی ہے۔ قرآن میں انسان کا حوصلہ بڑھایا گیا ہے اور تسلی دی گئی ہے:

﴿وَلَا تَہِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۳۹﴾﴾ (سورۂ آل عمران) ''اور نہ کمزور پڑو اور نہ غم کھاؤ' اور تم ہی سربلند رہو گے اگر تم مؤمن ہوئے۔''

جو انسان سچے دل سے ان آیات کو پڑھے گا اور عمل کرے گا' وہ اپنے مہربان خالق کو اپنے قریب پائے گا۔

ذکرِ الٰہی' دُعا اور توبہ

غموں کے مقابلے میں بہترین ڈھال دُعا اور ذکر ہے۔ دُعا عبادت کا جوہر ہے' مؤمن کا ہتھیار ہے۔ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ مایوسی کو دُور بھگانے کے لیے ہر وقت ذکر کرتے رہیں' تاکہ شیطان کے ہتھکنڈے ناکام ہو جائیں۔ اس کے لیے ہم میں سے ہر اک کو انفرادی طور پر اللہ سے سچی توبہ کرنا ہوگی' خلوص دل سے استغفار کرنا ہوگا' تاکہ وہ غلطیاں جو پہلے سرزد ہوئیں دوبارہ نہ ہوں۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ اس کے نتائج وہ سامنے آئیں گے جس سے آپ کا دل خوش ہو جائے گا۔ اللہ ہمیں قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

❀❀❀

توسیع دعوت پروگرام: حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی

مورخہ 12 جون 2026ء بروز جمعہ ضلع صوابی کے گاؤں شاہ منصور کی مسجد میں دعوتی پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں خطاب جمعہ میں ''فرائض دینی کا جامع تصور اور ہماری ذمہ داری'' کے موضوع پر گفتگو کی گئی۔ مدرس کے فرائض محترم حبیب الرحمٰن ناظم دعوت حلقہ نے ادا کیے۔ (رپورٹ: سعید اللہ شاہ، معتمد حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی)

گوشۂ انسدادِ سود

پاکستان میں انسدادِ سود کی کوششوں کی تاریخ اور مستقبل کے امکانات

(گزشتہ سے پیوستہ)

موجودہ صورتحال

مستقبل کے امکانات

(ا) مندرجہ ذیل بنیادوں پر غیر سودی بینکاری نظام کو مستقل طور پر استوار کیا جاسکتا ہے:

i) شراکتی سرمایہ کاری، یعنی مضاربہ اور مشارکہ کی بنیاد پر نفع و نقصان میں شراکت۔

ii) بیع موجل، بیع سلم اور اجارہ (Leasing) کی بنیاد پر عقود بیع اور عقود اجارہ۔

iii) TMCL (Time Multiple Counter Loan) کی بنیاد پر قلیل اور طویل مدتی قرضے برائے صارفین، تاجرین اور حکومت (تجویز کردہ شیخ محمود احمد مرحوم مصنف ''سود کی متبادل اساس'' انگریزی وار دو) اور ایک ضخیم کتاب ''MAN AND MONEY''

iv) قرض حسنہ برائے صارفین و حکومت۔ (جاری ہے)

بحوالہ: ''انسدادِ سود کا مقدمہ اور وفاقی شرعی عدالت کے 14 سوال'' از حافظ عاطف وحید

آہ! فیڈرل شریعت کورٹ کے سود کے خلاف فیصلہ کو 1552 دن گزر چکے!

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ — دعائے مغفرت

☆ حلقہ کراچی وسطی کی مقامی تنظیم قرآن مرکز جوہر 2 کے رفیق محترم جنید خلیل بیگ وفات پا گئے۔

☆ حلقہ کراچی وسطی کی مقامی تنظیم راشد منہاس جوہر 2 کے رفیق محترم آصف اشتیاق کی والدہ وفات پا گئیں۔ برائے تعزیت: 0333-2303316

☆ حلقہ کراچی وسطی کی مقامی تنظیم شاہ فیصل کے امیر محترم عزیز ظفر صدیقی کی ہمشیرہ وفات پا گئیں۔ برائے تعزیت: 0333-3452946

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

قارئین سے بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ فِیْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاء اللہ

''قرآن اکیڈمی ڈیفنس، کراچی'' (حلقہ کراچی جنوبی) میں

10 تا 12 جولائی 2026ء (بروز جمعۃ المبارک نمازِ عصر تا بروز اتوار نمازِ ظہر)

مدرسین کورس

(نئے و متوقع مدرسین کے لیے)

نوٹ: مدرسین کورس کے لیے درج ذیل کتابچہ کے مطالعہ کا اہتمام فرمائیں۔

☆ قرآن کے نام پر اُٹھنے والی تحریکات اور ان کے بارے میں علماءِ کرام کے خدشات

اور

مدرسین ریفریشر کورس

کا انعقاد ہو رہا ہے

زیادہ سے زیادہ ذمہ داران پروگرام میں شریک ہوں۔

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 0321-2192701/021-34306041

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم و تربیت: 78-35473375(042)

تنظیم اسلامی کی انقلابی دعوت کا ترجمان | غلبہ و اقامتِ دین کی جدوجہد کا حدی خواں

ماہنامہ **میثاق** لاہور

اجرائے ثانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

2026ء شمارہ جولائی صفر المظفر ۱۴۴۸ھ

مشمولات

☆ عرضِ احوال: قومی وحدت کا تقاضا: عدل، اعتماد اور مکالمہ — رضاء الحق

☆ درسِ قرآن: سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ (۹) — ڈاکٹر اسرار احمد

☆ لاہوتی سیریز: تواصی بالحق — ڈاکٹر اسرار احمد

☆ تذکیر و موعظت: سفرِ آخرت کے مراحل اور ہماری ذمہ داریاں — شجاع الدین شیخ

☆ فکر و نظر (احوال): حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں! — ایوب بیگ مرزا

☆ صفحات: 100 ☆ قیمت فی شمارہ: 60 روپے ☆ سالانہ زرِ تعاون (اندرونِ ملک) 600 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور — K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

maktaba@tanzeem.org 0301-1115348

اخبارِ اسلام

غزہ: اصل صورتحال کیا ہے؟ (بشکریہ: فرینڈز آف فلسطین)

- غزہ میں جنگ بندی کی خلاف ورزیوں، اسرائیلی حملوں اور مسلسل خونریزی کے باعث جانی نقصان میں اضافہ جاری ہے۔ نصیرات کیمپ میں زخمی فلسطینی اسلام حسن محمد صالح زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئے، غزہ کی وزارتِ صحت کے مطابق جاری حملوں کے نتیجے میں شہداء کی تعداد 73035 تک پہنچ گئی ہے، جبکہ 173368 افراد زخمی ہو چکے ہیں۔ یہاں ایسے بچے بھی ہیں جنہوں نے اپنے والدین کھو دیے، اور ایسے والدین بھی جو اپنے بچوں کی یادوں کے سہارے زندہ ہیں۔ دوسری جانب امدادی سرگرمیاں شدید خطرات سے دوچار ہیں۔ امداد پہنچانے کے حوالے سے اقوامِ متحدہ نے غزہ کو دنیا کا خطرناک ترین مقام قرار دیا ہے، جبکہ خوراک، پانی، ادویات اور بنیادی ضروریات کی قلت کے باعث بچے بھوک، بیماری اور محرومی کا شکار ہیں۔
- مقبوضہ مغربی کنارے میں اسرائیلی کارروائیوں کے دوران کم سن فلسطینی بچیوں کی گرفتاریوں اور ان کے ساتھ روا رکھے جانے والے خوف و ہراس نے انسانی حقوق کے حوالے سے نئی تشویش پیدا کر دی ہے۔
- اسرائیلی جیلوں میں فلسطینی قیدیوں کے ساتھ مبینہ غیر انسانی سلوک پر تشویش برقرار ہے۔ الجزیرہ کی تحقیق میں جسمانی ونفسیاتی تشدد، طبی غفلت اور سخت حالاتِ قید کے انکشافات سامنے آئے ہیں، غزہ کے معروف معالج ڈاکٹر حسام ابوصفیہ کی رہائی کی اپیل مسترد کی جا چکی ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیموں نے خفیہ شواہد کی بنیاد پر حراست برقرار رکھنے اور منصفانہ قانونی کارروائی نہ ہونے پر سوالات اُٹھائے ہیں۔
- تحریک مزاحمت نے الجزیرہ لائیو کے کیمرہ مین احمد وشاح کو نشانہ بنانے کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ قابض اسرائیل کی جانب سے فلسطینی صحافیوں اور میڈیا کے نمائندوں کو مسلسل نشانہ بنانا اس کی بین الاقوامی قوانین سے بے اعتنائی اور سچائی کی آواز کو دبانے کی کوششوں کی عکاسی کرتا ہے۔ جبکہ معروف خاتون صحافی ہجی حمدان نے مسلسل خوف اور ذہنی دباؤ کے باعث صحافت چھوڑنے کا اعلان کیا ہے۔ دوسری جانب ڈاکٹر میڈس گلبرٹ نے عالمی رہنماؤں سے غزہ کے اسپتالوں پر حملوں اور انسانی المیے کا نوٹس لینے کی اپیل کی ہے۔
- اسیران کے امور سے متعلق ادارے کے مطابق، دامون جیل میں قید فلسطینی خواتین نے شکایت کی ہے کہ سخت پابندیوں کے باعث انہیں فجر کی اذان اور نماز کے اوقات کا علم نہیں ہو پاتا۔ یہ صورتحال نہ صرف اُن کی روزمرہ زندگی کو مزید دشوار بنا رہی ہے بلکہ ان کے مذہبی حقوق اور عبادت کی آزادی کو بھی متاثر کرتی ہے۔
- مسجد اقصیٰ اور القدس سے متعلق نئی مذہبی وسیاسی بحث شدت اختیار کر گئی ہے۔ الجلیل میں سرخ گائے کی پیدائش کے بعد بعض مذہبی حلقوں نے اسے مبینہ تیسرے ہیکل کی تعمیر سے جوڑا، جس پر فلسطینی اور مسلم حلقوں نے شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے مقدسات کے احترام اور خطے میں کشیدگی سے بچنے کی ضرورت پر زور دیا۔
- غزہ کی موجودہ صورتحال پر بین الاقوامی سطح پر ردعمل جاری ہے۔ اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب عاصم افتخار نے سلامتی کونسل سے خطاب میں جنگ بندی کی خلاف ورزیوں، غذائی بحران اور امداد کی راہ میں رکاوٹوں کو بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی قرار دیا، جبکہ لبنان کے حوالے سے حزب اللہ کے سربراہ نعیم قاسم نے اسرائیل کو فوجی کارروائی کی آزادی دینے والی کسی بھی جنگ بندی کو مسترد کرتے ہوئے جنوبی لبنان میں اسرائیلی موجودگی کے خاتمے کا مطالبہ کیا۔

مسلم دنیا سے متعلق دیگر ممالک کی اہم خبریں

- **ایران، امریکہ مذاکرات: صدر ٹرمپ کی دھمکیاں:** سوئٹزرلینڈ کے سیاحتی مقام برگن اسٹاک میں مذاکرات سے قبل امریکہ میں فاکس نیوز کے رپورٹر سے بات کرتے ہوئے صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے ایران کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ آبنائے ہرمز بند کی تو ایران ملک نہیں رہے گا اور ڈھکے چھپے الفاظ میں ایرانی وفد کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ تم لوگ اپنے ملک میں واپس بھی نہیں جا سکو گے، معاہدہ نہ کیا تو میں ایران کو تباہ کر دوں گا۔ دوسری جانب ایرانی صدر مسعود پزشکیان نے واضح کیا کہ ایران یورینیم افزودگی ترک نہیں کرے گا اور امریکہ کے ساتھ کسی بھی مفاہمتی یادداشت میں قومی مفادات پر سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا۔ جبکہ امریکی اخبار واشنگٹن پوسٹ کی رپورٹ کے مطابق امریکی انٹیلی جنس جائزوں میں خدشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اسرائیلی وزیر اعظم بنجمن نیتن یاہو ایسے اقدامات کر سکتے ہیں جو ایران کے ساتھ دیرپا امن معاہدے کے لیے امریکی کوششوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں کیونکہ اسرائیل صدر ٹرمپ کے مجوزہ امن منصوبے کی بعض شرائط سے مطمئن نہیں۔ ایک سابق امریکی عہدیدار کے مطابق اسرائیلی حلقوں کو خدشہ ہے کہ مجوزہ معاہدہ حزب اللہ کے خلاف اس کی دفاعی اور عسکری کارروائیوں کی گنجائش کو محدود کر سکتا ہے۔ جبکہ امریکی اخبار وال سٹریٹ جرنل کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ امریکی محکمہ دفاع پینٹاگون نے کانگریس کے اراکین کو آگاہ کیا ہے کہ اسے ایران جنگ کے اخراجات اور دیگر متعلقہ مالی ضروریات پوری کرنے کے لیے تقریباً 80 ارب ڈالر کے اضافی فنڈز درکار ہیں۔
ایرانی نژاد امریکی رکن کانگریس یاسمین انصاری کا کہنا ہے کہ ایران کے خلاف جنگ مکمل طور پر ناکام اور غیر ضروری ثابت ہوئی ہے۔ ایران جنگ میں ہزاروں بے گناہ افراد مارے گئے۔ ٹرمپ نااہل ہیں، وہ اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکے۔ تاہم ایران کے سپریم لیڈر مجتبیٰ خامنہ ای نے ایرانی عوام کے نام اپنے پیغام میں کہا ہے کہ قومی سلامتی کونسل کی سفارش پر امریکا اور ایران کے درمیان مفاہمتی یادداشت کی منظوری دی گئی، جس کے بعد دونوں ممالک کے درمیان معاہدے پر دستخط ہوئے۔
- **اسرائیل/لبنان: جنگ کے اثرات، اختلافات اور فوجی موجودگی:** ایک سروے کے مطابق 92 فیصد اسرائیلیوں نے ایران کو حالیہ جنگ کا فاتح قرار دیا، جبکہ وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو کی کارکردگی کو بڑی تعداد میں کمزور قرار دیا گیا۔ نیتن یاہو نے لبنان میں نام نہاد سکیورٹی زون پر اسرائیلی کنٹرول برقرار رکھنے کے عزم کا اظہار کیا۔
- **بھارت/مقبوضہ کشمیر: مسلم دشمنی اور مساجد کی مسماری:** ریاست مہاراشٹر کے ضلع جالنہ میں کڈز ورلڈ انگلش سکول کے مسلمان پرنسپل وجیہہ الدین صدیقی اور عملے کے دو ارکان کے خلاف پولیس نے پاکستانی ترانے گانے کے الزام میں مقدمہ درج کر لیا ہے۔ یہ مقدمہ مقامی ہندوتوا تنظیموں کے رہنماؤں کی شکایت پر گزشتہ برس مارچ میں ہوئی ایک تقریب کے حوالے سے درج کیا گیا ہے۔ انسانی حقوق کی امریکی تنظیم ”جسٹس فار آل“ نے بھارت میں مساجد کی پے در پے مسماری پر شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ مساجد کی مسماری ملک کی مسلم اقلیت کے خلاف امتیازی سلوک کے بڑھتے ہوئے واقعات کی غماز ہے۔
- **چاڈ: پناہ گزین کیمپوں میں سوڈانی خواتین اور کم عمر لڑکیوں کا استحصال:** سوڈانی پناہ گزینوں کے کیمپوں سے متعلق داخلی تحقیقات میں یہ انکشاف ہوا ہے کہ بعض امدادی کارکن مبینہ طور پر خواتین اور کم عمر لڑکیوں کا جنسی استحصال کرتے رہے ہیں۔

تحقیق: خالد نجیب خان (معاون مرکزی شعبہ نشر و اشاعت)

چمکدار صفائی
گہرائی تک اثر

شاندار صفائی، اُجلی دھلائی
کم مقدار، زیادہ صفائی
منفرد اور دیرپا خوشبو
رنگوں کی حفاظت
کپڑوں کی حفاظت
جلد کی حفاظت

DELIVERY ALL OVER PAKISTAN

میرا با اعتماد انتخاب

شاندار صفائی
کم پیسے، زیادہ دھلائی
بھرپور جھاگ، داغوں کا صفایا
مہکتی خوشبو

JR Industries:
Shah House, Plot # A89-91, Dhani Bux,
Sector 51-A, Scheme 33, Karachi Pakistan

For Online Order
0304 706 1265
jri.com.pk

Vol: 35 Regd. No. C.P.L NO.114 No.24

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore